

کے گئے ہیں اس کے بعد چوتھا رسالہ اسلامی تہذیب کے نام سے ہے جس میں اسلامی عقائد و اخلاق و ادب، سوال و جواب کے طرز میں لکھے گئے ہیں، یہ رسائل مکتبوں میں پڑھائے جانے کے قابل ہیں،
تعلیم خانہ داری بچوں کی استانی از جناب حافظ سید عزیز حسن صاحب بقائی اوٹیا
گھر والی کی تربیت، رسالہ پشاور جامع مسجد بنی ہاشم بہ ترتیب ۱۸۷۱ء

۱۸۹۵ء، صفحہ قیمت: ۸۰ پیر ۸۰ ر ۸۰

یہ تینوں معاشرتی اصلاحی رسائل ہیں "تعلیم خانہ داری" گھر کی شریف بہو بیٹوں کو خانہ داری کی ضروری تعلیم دینے کے لئے لکھا گیا ہے جس میں گھر کی چھوٹی بڑی ضروریات گنتائی گئی ہیں، پھر کھانا پکانے، سینے پڑنے، بولنے بنانے اور لکھنے پڑھنے غرض ایک خوش سلیقہ شریف لڑکی کے لئے جن معلومات کی ضرورت ہوتی ہے، ان سب کو مستقل عنوانوں سے لکھا گیا ہے، اور یہ اس لحاظ سے ایک کارآمد رسالہ ہے، پھر دوسرے رسالہ میں فسانہ کے طرز میں بچوں کے مدرسہ کی زندگی، اور ضروری تعلیمی معلومات درج کئے گئے ہیں، اور تیسرے رسالہ میں بھی فسانہ ہی کے طور پر لڑکیوں کو اپنی زندگی گزارنے کے طریقے بتائے گئے ہیں

مرزا قادیانی، از جناب عبدالغفور صاحب عابدی حیدرآباد، دکن حجم ۶، صفحہ قیمت ۱۰
اس میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے عقائد کی تردید کر کے دکھایا گیا ہے کہ وہ نہ نبی و مہدی ہو سکتے

ہیں، اور نہ مسیح ثانی و مجدد کئے جانے کے مستحق ہیں،

وٹا مائنس، از جناب لفٹننٹ کرنل محمد اشرف الحق صاحب قلعہ گوگندہ حیدرآباد دکن، صفحہ قیمت ۳
این وٹا مائن (جو سر حیات) کی حقیقت، اس کے اقسام اور خواص اختصار کیا تھ بیان کیے گئے ہیں،

خوشہ پروین، مرتبہ جناب سید کاظم یرکمستان نمبر ۲۲۵۳، گلی تارا، دہلی،

حجم ۲۲، صفحہ، تقطیع جیبی، قیمت مہر

اس میں جناب فضل الدین فدا، دینا گھر کے سوشل سچاپے لکھے ہیں، "س"

جلد ۳، ماہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۶ء، عدد ۶

مضامین

نذرات

۴۰۴-۴۰۲

سید سلیمان ندوی،

۴۱۴-۴۱۵

ڈاکٹر مولانا محمد حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ

ڈی اسٹاؤنٹ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد،

۴۱۵-۴۳۲

جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے

پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن،

۴۳۳-۴۵۱

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب

رفیق دار المصنفین،

۴۵۲-۴۶۵

جناب محمد غوث صاحب، ایم اے عثمانیہ حیدرآباد

دکن،

کتب خانہ دفتر دیوانی حیدرآباد،

۴۶۶-۴۶۴

ع ز

عقل کے خلاف جدید بغاوت،

۴۶۵-۴۶۶

"

اخبار علمیہ،

۴۶۸-۴۸۰

"

مطبوعات جدیدہ

چینی مسلمان

ایک درمند صاحب قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی

اور علمی حالات ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، ضخامت ۱-۲۲۶ صفحہ، قیمت پیر

"منیر"

یشاد

”ڈاکٹر انصاری مرحوم“

۹ مئی ۱۹۳۷ء کی شام کو سات بجے کے قریب مین ڈیرہ دون کی ایک سڑک سے گذر رہا تھا کہ پیچھے سے ایک موٹر تیزی سے آئی اور ٹکرائی گئی مین نے دیکھا کہ اس پر ڈاکٹر انصاری بیٹھے ہیں، سر کھلاتا اور چہرہ پر بے حد تھکن، رات گز گئی اور صبح کو ان کے قیام گاہ کی تلاش ہوئی، معلوم ہوا کہ وہ رات ہی دہلی چل دیے، لیکن جب شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ رات دہلی نہیں گئے، راستہ سے سیدھے جنت کو سدھارے، دل دھڑکا، آنکھیں پر غم ہوئیں، اور سینہ سے آہ کا ایک شعلہ اٹھا جس نے ممبر تکین کی متاع کو چلا کر خاکستر کر دیا، ڈاکٹر محقق احمد انصاری گونب و وطن کے لحاظ سے ضلع غازی پور کے ایک ممتاز قصبہ یوسف پور کے ایک نہایت شریف خاندان سے تھے، مگر درحقیقت ان کا تعلق پورے ہندوستان سے تھا، اس یوسف پور کنعان، وہ محدود مقام نہ تھا جس کو یوسف پور کہتے ہیں، بلکہ پورا ہندوستان تھا، اسی لئے آج پور ہندوستان نے ان کی موت پر ماتم کیا، کیا مسلمان، کیا ہندو، کیا سکھ، کیا عیسائی، سب نے ہی جانا کالج لکھنؤ کی جگہ پر بیٹھ کر مین نے ڈاکٹر انصاری کو سب سے پہلے ۱۹۱۷ء میں اس وقت دیکھا جب وہ بلقان کی جنگ میں طبی وفد لیکر ترکی جا رہے تھے، اور اس تقریب لکھنؤ اسٹیشن سے گذر رہے تھے، مولانا شبلی اور بہت سے لوگ لکھنؤ اسٹیشن پر ڈاکٹر صاحب کو الوداع کہنے گئے تھے، اس وقت ڈاکٹر صاحب کی عمر تیس تیس کی تھی، کھلتا رنگ، دہلا جھیرا بدن، کشیدہ قامت، ہنستا چہرہ، انوری یا قیصری مونچھیں، جسم پر چست خاکی وردی، ڈاکٹر صاحب کی کادر وازہ کھولے کھڑے تھے، گاڑی نے جیسے ہی سیٹی دی، لوگوں کی آنکھیں بھرائیں اور مولانا شبلی مرحوم نے اسی جوش میں جھک کر ڈاکٹر صاحب کے بوٹ کو بوسہ دیا، اور رخصت کیا، وہ بھی عجیب منظر تھا، ڈاکٹر صاحب کا سب سے پہلا شجاعانہ اسلامی کارنامہ ۱۹۱۵ء میں مسلم لیگ دہلی کے صدر کی حیثیت سے

وہ یادگار خطبہ جس میں سب سے پہلے خلافت اور مقامات مقدسہ کی نسبت مسلمانوں کے جذبات کا بخوبی اظہار کیا گیا اور مذہبی کتابوں کے حوالہ سے مسلمانوں کے دعووں کے دلائل پیش کیے گئے تھے اس کے بعد تو ان کا یہ جنون بڑھتا ہی رہا، اور خلافت کو غیر مسلم اتحاد کی کوششوں میں انھوں نے وہ کچھ کیا، جو ہندوستان کے کسی مسلمان نے نہیں کیا،

وہ ہندو مسلم اتحاد کے مناد، عالم اسلامی کے سفیر اور آزادی وطن کے مبلغ تھے، وہ جلسوں میں بہت کم بولتے تھے، مگر جب بولتے تھے تو وہ کہتے تھے جس کی صداقت دون میں گھر کر جاتی تھی، صداقت اور شرافت ان کا خمیر تھا، صداقت کی خاطر ان کو کبھی کبھی اپنے عزیز ترین دوستوں کا ساتھ چھوڑنا پڑتا تھا، اور شرافت کے سبب سے ان دوستوں کے غیظ و غضب اور جفا کوشی کو پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ برداشت کرتے تھے، اس کے کتنے مناظر خود میری آنکھوں کے سامنے گذرے ہیں،

ان کا گھر مہمانوں کے لئے، ان کی جان دوستوں کے لئے اور ان کا مال ضرورتمندوں کے لئے وقف تھا، اراقت ان کو دولت مند سمجھتے تھے، مگر جاننے والوں کو معلوم ہی کہ کبھی کبھی ان پر ایسے دن بھی گذرے کہ قرض لے لیکر مہانداری کا فرض انجام دیا جاتا تھا، اور اس حالت میں بھی قومی جلسوں کا پورا بار اپنے کندھوں پر اٹھا اور سیکڑوں اپنے جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کو اپنا ہمان بنائے ہوئے تھے،

وہ فیاضی کا مجسمہ، لطف و محبت کا دیوتا، اور حسن اخلاق کا فرشتہ تھے، متانت اور سنجیدگی ان کی طینت اور غور و فکر ان کی عادت تھی، وہ وطن کے خدمتگار، انسانیت کے غمخوار اور اسلام کے پرستار تھے، وہ دنیا میں اتحاد اسلامی کے پیغمبر اور ملک میں ہندو مسلم اتحاد کے مبلغ تھے، انکی پائیس کے سولہ برسوں میں طوفان سیاست کے گردن جھونکے اٹھے، اور سیاسی انقلاب خیال کے بسیوں حادثے پیش آئے مگر صداقت اور استقامت کا یہ پہاڑ جو کاتوں پنی جگہ پر جا نہ رو پڑا، نہ وہ وقت آیا جب انہوں نے ان کو غیر بنایا، اشناؤں نے یگانہ سمجھا اور دوستوں نے دشمن قرار دیا، بلکہ کلکتہ خلافت اور آل پارٹیز کانفرنس میں وہ وقت بھی آیا جب انکے اپنے دست و بازو نے انکو دھکے دیے، اور مسلمانوں نے ان پر حملہ کی نیت کی، تاہم یہ شرافت و متانت کا مجسمہ خاموش رہا، اور

انہوں کی برسلو کی کے ذکر اور دوستوں کی جائز شکایت سے کبھی اپنے لب کو آلودہ نہیں کیا،

ابا زمین کا یہ فرشتہ ہمارے شور و شر کی سر زمین سے بہت دور امن و راحت کے آسمان پر چلا گیا، جس کا فانی
جسم دلی کے ایک کھنڈر میں ہزاروں من مٹی کے نیچے دبایا ہے، اب زمانہ کے حوادث اس کو رنجیدہ، عالم اسلامی کی
زبون حالی اس کو آزدہ اور وطن کی غلامی اس کو افسردہ نہیں بنائیں گی اس کا تن خاکی اب ایک تنکے ہو سے سفر
کی طرح زمین کے بچھونے پر ابدی نیند سوہا اور اس کی روح ہماری مدح و ستائش سے بے پروا اور ہمارے نود و
ماتم سے بے خبر اپنے نیک اعمال کا محضر لئے خدا کے سامنے ہوا امید کہ مغفرت کا نورانی خلعت کچھ عجم پر اور خوش کامیابی کے
آہ! کیسا دلہ وز منظر ہی وہ حاذق جس سے درود دل کے ہزاروں مریضوں کو شفا ہوئی جس نے اپنے تیس برس کے
معاہد میں ہزاروں کو موت کے خطرہ سے بچایا ہوگا، وہ ایک کیلوے سفر میں لگاڑی کے ایک ڈبہ میں، ڈبہ کے ایک تختہ
پر موت کے نیچے کو آہستہ آہستہ اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھتا ہی اور اس سبکی و بے بسی کے عالم میں اپنے کو مجبور پاتا
اور چالیش منٹ کے اندر ساؤن برس کی عمر میں اس کی بستی کا چراغ گل ہو جاتا ہی،

دہلی کے اسٹیشن نے میسوں دفنہ اسکے جلوس و استقبال کا رنگین منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا، ۱۰ اگست
کی صبح کو اسی اسٹیشن نے اس کی بے روح لاش کو گاڑی سے اترتے دیکھا، استقبال کرنے والوں کا ہجوم اب بھی
تھا، مگر چروں پر مسکراہٹ کے بجائے رنج و غم، آنکھوں میں تبسم کے نور کی جگہ، آنسوؤں کے قطرے دل
میں خوشی اور مسرت کے اطمینان کے بدلہ غم و الم کا اضطراب،

طرابلس اور بلقان کے ہنگاموں نے ہماری چند جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دفنہ سوتے سے بیدار کر دیا تھا، محمد علی مرحوم
اس قافلہ کے دیر اور ڈاکٹر انصاری اس قافلہ کے سب سے پر جوش رہبر تھے، انہوں نے ان دونوں درد مندوں نے دل ہی کے
آثار میں وفات پائی دل کا درد مجاز بنکر نمودار ہوا، اور ان کی قومی زندگی کا باعث ہوا، اور وہی حقیقت بنکر
ان کی موت کا سبب ہوا، محمد علی مرحوم نے پہلے داغ مفارقت دیا، اور اب

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خوش ہے

مقالہ

”عربوں کی ہما ز رانی“

استدراک

از جناب ڈاکٹر مولینا حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی اتا ذفقہ جامعہ عثمانیہ جدید آباد کن

(۲)

عرب میں بندر گاہ، عربی بندر گاہوں کا ذکر خاصی تفصیل سے (مکمل حصہ، ۶ تا ۷) کیا گیا ہے، اس سلسلے میں
ان کے مشہور بندر گاہ دبا کے متعلق چند جدیدہ معلومات بے محل نہ ہوں گے، اسی طرح بحرین کے بندر گاہ شتقر
اورین کے بندر گاہ عدن وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے، ب۔

۱۔..... شمر سوق دبا وہی احدی
فرختی (فرض ۵) العرب یا تیتھا
تجار السند والهند والصین
واهل المشرق والمغرب فيقوم
سوقها آخر يوم من رجب وكان
بيعه فيها المساومة وكان
الحلبدي بن المتكبر يعثرهم
پھر بازار دبا ہے، اور وہ عرب کا ایک
بندر گاہ ہے، جہین سندھ، چین کے تاجر
اور مشرق اور مغرب کے لوگ آتے ہیں،
اور یہ بازار رجب کے آخر دن میں لگتا
ہو، اور ان کی بیچ اس بازار میں مساومہ
ہوتی ہے، اور حلبدی بن متکبران سے آ
میں اور بازار صحار میں عشر لیتا ہے،

فیھا و فی سوق صحار و فعیل فی
ذلک فعل الملوك بغيرها۔

اور اس معاملے میں وہی طریقہ اختیار
کرتا ہے، جو بادشاہ لوگ اور بازاروں
میں اختیار کرتے ہیں

(کتاب المختار لمحمد بن حبیب المتوفی ۲۲۵ھ مخطوطہ برٹش میوزیم لندن)

... ثم یرتحلون بہا الی دبا و حان
احد فرض العرب یرتجم بہا
تجار الهند و السند و الصين
واهل المشرق و المغرب
فیسترون بہا بیوع العرب
الہجر ... (کتاب الاثر منہ
ولا ملئہ للرزق باب ۴۰)

پھر اس سے مشرق کا سفر کرتے تھے، جو
بحرین سے یہ بازار جمادی الآخرہ کے پہلے
دن سے آخری ہفتے تک لگاتار رہتا تھا،
اور ایرانی لوگ اپنا سرمایہ تجارت لیکر
وہاں بحری سفر کر کے آتے تھے،

۲۔ ... ثم یرتحلون منها الی
المشرق بجمہر فتقوہ سوقھا
اول یوم من جمادی الآخرہ
الی آخر الشهر فتوافی بہا
فارس یقطعون البحر الیہا
ببیاعاتهم ... (کتاب المختار

ورق ۹۴-۹۵)

۳۔ ... ثم یرتجون بجمیع

پھر وہاں بخشی اور تری کے جو تاجر ہوتے

من فیہا من تجار البر والبحر
الی الشحر - شحر مہرتہ - فیتد
سوقہم ... ثم یرتحلون منها

الی عدن الا تجار البحر فاندہ
لا یرتحلون منہم الا من بقی من
بیعہ شیئ ولعرب یرتجون فی
الناس بعدن من بقی معہ
من تجار البحر شیئ ومن لعرب
شہد الاسواق الی کانت قبلہا
... وکان طیب (الطیب؟)

الخلق ... ولعرب یرتجون احد یحین
صنعہ من غیر العرب حتی ان
تجار البحر لیرجع بالطیب
المعمول، تفخر بہ فی السند
والهند و یرتحلون بہ تجار البر
الی فارس و السند ... (المرزوقی باب ۱۱)

تاجر اسکو لکیر ایران اور روم میں جاتے ہیں،

آبنائے عمان یا باب المندب؟ "اسی کے پاس عمان کی دریائی پہاڑیاں ہیں، اور وہ جگہ ہے، جس کو درود
کہتے ہیں یہ دو پہاڑوں کے بیچ تنگ دریائی راستہ ہے، (باب المندب؟) (البحر ص ۷۰) یہاں عمان
کو قلم سے بجائے آبنائے عمان کے آبنائے باب المندب لکھ دیا گیا ہے، باب المندب بحر قلم کے دہانے

پر ہی، یہاں فتح فارس کا ذکر ہے،

چین | اہم نے اوپر کی سطروں میں حدود ملک چین تک کے راستے بتائے ہیں، (مکرم ص ۹۰)، اس سلسلے میں وہ مشہور مقولہ بیان کیا جاسکتا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا جاتا رہا ہے کہ اطلبوا العلم ولوکان بالصدین، اگرچہ یہ حدیث ابن عبد البر نے علم پر اپنی مشہور کتاب میں حضرت انس کی روایت سے درج کی ہے، بیہقی نے شعب الایمان میں، ابن عدی نے الکامل میں اور العیسیٰ نے الفصیح میں لیکن ماہرین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے، شاید اس قیاس کو زیادہ دور از کار نہیں قرار دیا جاسکے کہ یہ حدیث اس زمانے کی پیداوار ہے، جب عربوں کے تجارتی تعلقات چین سے بہت مستحکم ہو گئے تھے، اور وہاں کے گیمپور (غفور یا بغور) باگ کے منی تاناری اور جدید روسی زبان میں خدا کے بن، پوٹے کو کہتے ہیں، چینی اپنے بادشاہ کو آسمان کا بیٹا سے ملقب کرتے رہے ہیں، کے اسلام لانے کا امکان نظر آ رہا تھا، اس وقت چین میں کی تابعیت قلبی کی ضرورت تھی،

تیسری صدی کا سفر نامہ یورپ | ابن فضلان نے بغداد سے روس و بلغاریہ تک اپنا سفر نامہ مرتب کیا تھا، جس کا مختصر خلاصہ یا قوت نے اپنی معجم البلدان میں شامل کیا ہے، (مکرم ص ۱۱۵) اہل علم میں سے ہر ایک کو یہ سن کر خوشی اور چند کوتاہ خبر معلوم ہوگی، کہ مقتدر باللہ عباسی کے (جو تیسری صدی کے اواخر میں خلیفہ مولا سیف بن فضلان کا کھویا ہوا سفر نامہ مل گیا ہے، اور ایران سے اس کے ایک مکمل نسخہ کی عکسی نقل (فوٹو) برلین کے سرکاری کتب خانے میں آچکی ہے، اور اب اسے روسی اور دیگر زبانیں جاننے والے چند جرمن شہر قیامت کیلئے تیار کر رہے ہیں، اور غالباً ترجمہ بھی تفصیلی تعلیقات اور جدید ترین معلومات کے تقابلی مطالعے کیساتھ شائع ہوگا،

جاپان | اہل عرب... جاپان کو جزائر واق واق کہتے ہیں، (مکرم ص ۱۲۹) عرصہ ہوا عجائب المذکر فرانسیسی فیمن پر وفسیر دھوی نے یہ دھپ نظر پیش کیا تھا، لیکن ابی دو سال ہوئے پاریس کے کمال

ژورنال آزیاتیک میں پروفیسر فرنان (Merrill) جس کا چند ماہ قبل انتقال ہو گیا ہے، نے اس بارے میں نئے نئے تحقیقات کی ہے، اور عربی کے علاوہ چینی اور دیگر ماخذوں سے کثیر مواد فراہم کیا ہے، جس کا خلاصہ بھی انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں (عنوان "واق واق" کے تحت) شائع ہوا ہے، اس تفصیلی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے مراد جاپان نہیں بلکہ بورنیو ہے،

ابن جبیر | عربی سیاحوں کے سلسلے میں ابن جبیر کا سفر نامہ جج بھی قابل ذکر ہے، یہ سلطان صلاح الدین کا معتمد اور اس نے اسپین سے مصر وغیرہ تک جہان پر سفر کیا تھا، ابن جبیر نے جس وقت نظر سے حالات سفر بیان کئے ہیں، اور اثنائے راہ میں آتش فشان پہاڑوں، بندر گاہوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اس سے بہت کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں، خاص کر بحری سفر میں مسافر کے تجربے بہت دلچسپ ہیں،

بحری نقشہ | سامان و آلات جہاز رانی کے سلسلے میں بحری نقشوں کا ذکر (مکرم ص ۳۷ تا ۱۳۱) کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں ایک حالیہ تحقیق کا ذکر کیا جاسکتا ہے، کوئیس نے امریکہ کا ایک نقشہ تیار کیا تھا، جو اب ناپید ہے، مشہور ترکی ماہر بحریات پیری رئیس اس کا تقریباً ہم عصر تھا، ترکی میں ان دنوں سلیمان اعظم جیے اولوالعزموں کا دور تھا، جو دنیا کو فتح کرنے کے منصوبے رکھتے تھے، ایسے زمانے میں سرکاری انسرون کے معلومات بھی عصری (آپ ٹوڈیٹ) ہوا کرتے تھے، چنانچہ پیری رئیس نے کوئیس کا نقشہ امریکہ کسی طرح حاصل کیا، اور اپنے نقشہ عالم میں شامل کر کے شائع کیا، یہ نقشہ کتنی

سل اس کا سفیر مین گیا تھا، تاکہ وہاں کی فوجی قوت وغیرہ کا اندازہ لگائے، سفر کی رپورٹ جو خطائی نامہ کے نام سے فارسی میں لکھی گئی تھی، اور جس کا بعد میں ایک ناقص ترجمہ بھی ہوا ہے چین کے متعلق معلومات کی انسائیکلو پیڈیا ہے، اس کا جرمن ترجمہ مجھ سے کرایا گیا تھا، جواب چینی ماخذوں کے حواشی کے اضافے کیساتھ اصل فارسی متن قریب میں شائع ہوگا، یہ کام جرمن مجلس شہزادوں کے معتمد اور اسکے رسالے کے ایڈیٹر ڈاکٹر کالے انجام دیر ہو

توپ چوسراے (استانبول) میں ملا اور کوئی تین سال ہوئے کہ اس کو بون یونیورسٹی کے صدر کی طرف
شرقیات اور جرمن مجلس شرقیات کے مستند ڈاکٹر پاؤل کالے (P. Kahl) نے ایک
طویل مقدمے کیساتھ شائع کیا ہے، ایک ضخیم کتاب اسی موضوع پر انگریزی میں بھی پرفیسر کالے نے لکھی ہے
جو امریکہ کی کسی یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہو گئی ہے، یا ہونے والی ہے۔

لائٹ ہاوز | لائٹ ہاوز (انگریزی) کے سلسلے میں بھی پرفیسر کالے کی ایک کتاب کا ذکر کیا جاسکتا ہے
جس میں اسکندریہ کے مشہور منارے کے متعلق جملہ مل سکنے والے عربی و دیگر معلومات مع تصاویر شائع
ہوئے ہیں۔

صور الکوکب | صور الکوکب (انگریزی) پر ایک نہایت قدیم رسالہ کتاب الاسرار منہ، لیونٹا
بن ماسویہ المتطبیب المعلم الفلکی ۱۹۳۲ء میں مصر میں شائع ہوا ہے، انیس سال کے بارہ ہینون
کی فلکی کیفیت تفصیل کردی گئی ہے۔

تطب نما | طب نما پر جسے جہت نمایاں نہایت نمایاں شاید زیادہ موزون ہو، عربوں کے متعلق بہت عجیب
مواد لکھا گیا ہے، (انگریزی) ۱۹۲۴ء مگر یہ چیز اس سے بہت زیادہ پرانی ہے، حال میں چند ماہ قبل
حیدرآباد کے ضلع راجپور میں مکی نامی مقام پر اثری کھدائی کے سلسلے میں زمانہ ماقبل تاریخ کے ہند
جہری کی جو چیزیں دریافت اور دستیاب ہوئی ہیں، ان میں تین عدد جہت نمایاں بھی صحیح و سالم حالت میں
ہے ہیں، ان پر سولہ جہتوں کے نشان اور ذیلی جہتوں کی علامتیں صاف طور سے نمایاں ہیں، کسی دلچسپ
سے لکھا ہے کہ اس چرخ کمن کے نیچے خود ہمارے اپنے سوا کوئی چیز نئی نہیں۔

ایرانی مکین میں | ایرانیوں کی تجارتی اور دیگر مادیات اور اہل آبادیوں کا ایک سرسری ذکر (انگریزی) ۱۹۲۴ء
اشارہ کر دیا گیا ہے، پارسیوں نے آنحضرت معلّم کی ولادت کے بعد جہری حملہ کر کے مین پر قبضہ کر لیا تھا،
Bulletin de l'Institut del Egypte XV
1933-235-256

دہر سپہ سالار دگورنر کے ساتھ آئے ہوئے یہ لوگ اپنا کھلاتے تھے، یہ لوگ عہد نبوی میں مسلمان ہو گئے
اور کنوری عہدوں پر سرفراز کئے گئے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں ردت کے موقع پر مین کے عربوں
بن مینی قومیت کے جو جذبات پیدا ہوئے تھے، وہ آج چودہویں صدی ہجری میں ترکی مصر ایران،
عراق وغیرہ کے حالات کو دیکھ کر اپنی حیرت انگیز قدامت دکھاتے ہیں:-

..... ولما سمع بذلك قیس اسرسل
الذی الکلا ع واصحابہ ان
الابناء نزع فی بلاد کمر ونقلا
فیلم وان تترکوہم لن یزالوا
علیکم وقد اصری من الراہی
ان اقلہ و سہم و اخر جہم من
بلادنا فنبزوا فلم یعالوا
لمنصر و الابناء و اعتزلوا
(تاریخ طبری ص ۱۹۹)

جب قیس نے اس کو سنا تو ذی الکلا ع
اور اس کے ساتھیوں کو پیغام دیا کہ اپنا
تمہارے ملک میں اجنبی ہیں، اور دوسری
جگہ سے منتقل ہو کر آئے ہیں، اگر تم لوگ ان
کو چھوڑ دو گے، تو تم پر حملہ کر دیں گے،
میری رائے تو یہ ہے کہ ان کے سرداروں
کو قتل کر دوں اور اپنے ملک سے ان کو
نکال دوں، تو یہ لوگ الگ ہو گئے، اور ادنیٰ
موافقت نہیں کی اور اپنا رکی مدد نہیں کی، اور

ہندی امیر البحر | ہماذرانوں کا ذکر کرتے ہوئے (انگریزی) ۱۹۲۴ء عربوں کے ساتھ ترکوں وغیرہ

ملک کا ذکر کر دیا گیا ہے، اور محروم ہو تو غریب ہندوستان، علیا میں پرگالی حملوں کے زمانے میں کالیکٹ
نامی (amorian) لقب کے راجے حکمران تھے، ان کی بری فوج میں مسلمانوں کی کافی تعداد
تھی لیکن ان کا بحریہ معلوم ہوتا ہے، کہ خالص اسلامی تھا، زین الدین المعبری کی تحفۃ المجاہدین
فی بعض اخبار الپرتگالیین اور مسٹر بانٹار کی حالیہ کتاب

Malabar and the Portuguese
میں اس بات کا کافی مواد ملتا ہے، کہ کنج علی مرکار کا خاندان موروثی طور پر راجا سامری کا امیر البحر

تھا، چونکہ عیسائی مسلمان تاجر رہے ہیں، اور مذہبیت کے باعث ہر سال ان کے بہت سے لوگ قتل
کو جایا کرتے تھے، اسی لئے ان میں جہاز رانی بڑی ترقی کر گئی تھی، کچھ علی مرکار کا خاندان اب بھی نابھ
شہر بنیاتی (میلبار) میں آباد ہے اگر اس خاندان کا کوئی رکن یا کوئی اور صاحب بہمت و معلومات اس امیر البحر
خاندان کی تاریخ مرتب کرے، تو نہ صرف دکن یا ہند ملک مسلمانوں کے لئے باعث نازش ہوگا، بلکہ اگر کسی
طرح مطبی بھر آدمیوں اور گنتی کی کشتیوں سے ان مجاہدوں نے ہندوستان اور مشرق کے ملک پر حملے
کا نسلون تک ہندوستان میں ناک میں دم کر رکھا تھا،

ہندوستان کی تاریخ ترکی ماخذوں سے | اسی طرح ایک بعد کے زمانے میں بعض مسلمان عیسائی ریاستوں کے
حکمرانوں نے سلطان ترکی کو جہاز پر دوہا تھی بھیجے (جن میں سے ایک راہ میں مر گیا)، اور ایک قصیدہ عربی
میں لکھا کر یورپی عیسائیوں کے مظالم کے خلاف مدد کی التجا کی تھی، ایک ترکی مورخ ان حالات کے
سلسلے میں لکھتا ہے، کہ قصیدہ کی عربی میں بہت سی غلطیاں تھیں، اور وزن وغیرہ بھی درست نہ تھا، سفارت
چند روز انتظار کر کے ناکام واپس ہوئی،

ہندوستان کے بہت سے واقعات ترکی تاریخوں اور سفر ناموں میں ملتے ہیں، خاص کر مغلیہ
اور اسکے بعد کے زمانوں کے متعلق مگر یہ کہ کبھی ان سے ملک کو روشناس کرانے کی فرصت ملے،
عربوں کے بحری تصانیف، | عربوں کی بحری تصنیفات (مجموعہ ۱۸۳۳) پر گو میں سرسنگ زادہ کی مذکور بالا
کتاب کے سوا کسی اضافے کے قابل نہیں ہوں لیکن کس قدر افسوس ہوتا ہے، کہ ابن ماجہ وغیرہ کی پارسی سے
شائع شدہ کتابوں کے فرانسیسی دیباچے سے اب تک فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا ہے، اگلی گزہ کے ایک سابق
پروفیسر صاحب نے ایک مرتبہ اس کے کسی باب (جو شاید انگریزی میں تھا) کا معارف میں ترجمہ شروع
کیا تھا، ہندوستان میں بفضل خدا اب کافی تعداد فرانسیسی دانوں کی پیدا ہو گئی ہے، خود جامعہ عثمانیہ میں
کم از کم نصف درجن اساتذہ (جن میں دو پارسی کے ڈاکٹر ہیں) سید صاحب کو مدد دے سکتے ہیں، اسی

علی چیزوں میں کوئی ایسی بات نہیں چھوڑ دینی چاہئے، جو ذرا کاوش پر قابل عمل ہو جاتی،
سندباد بحری الف لیلة | نہ معلوم اہل علم میری اس رائے پر کیا کہیں گے، کہ الف لیلة سے بھی مواد حاصل کرنا چاہئے
ہو مر کی نظم، | تھا، علاوہ متعدد ہجرت آمیز قصوں کے اس میں سندباد بحری کے سفر قابل ذکر
ہیں، یہ افسانے یقیناً اسی زمانے کی پیداوار ہیں جب عربی جہاز رانی اوج عروج پر تھی، بحری تیاجوں
اور ملاحوں کی کہانیاں غالباً تیسری صدی ہجری میں اتنی زیادہ ہو گئی تھیں کہ ان سے سندباد کے سات
بحری سفروں کے لئے کافی مواد فراہم ہو سکتا تھا،

سندباد کے سلسلے میں ایک زیادہ اہم مسئلے پر کچھ کہنا ضروری اور فرانس کے اساتذہ سے بھی میری اس بار
میں گفتگو رہی ہے، اور وہ میرے دلائل کو کافی وزن دار اور قابل غور قرار دیتے رہے ہیں، وہ یہ کہ عام طور سے کہا
جاتا ہے کہ مسلمان عربوں نے یونان سے علوم و فنون تولے لیکن ادب و شعر کو اپنی زبان میں ترجمہ کر کے منتقل
نہیں کیا اس سلسلے میں ایک بڑا ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہومر کی نظموں کا ترجمہ ابھی اسی صدی میں ہوا، اس پر پہلے
کچھ نہیں ہوا لیکن سندباد کے قصوں کو یولیسس کے واپسی وطن کے بحری اور نہات بھرے سفر کیساتھ ملا کر جو شخص
پڑھتا ہے، وہ انکی یکسانی سے متاثر اور حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، ناظرین سندباد کے تیسرے سفر کے اس
قصے سے خالی الذہن نہ ہوں گے، کہ سندباد مع اپنے ہمراہیوں کے ایک جزیرہ میں پہنچتا ہے، جہاں ایک آگے والا
دیور رہتا تھا اس نے ان کو اپنے رہنے کے مقام پر بند کر دیا، اور روزانہ دو ایک آدمیوں کو آگ پر بھون کر
کھانے لگا، آخر سندباد نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایک دن رات کو سوتے میں دھکی ہوئی سلاخ سے اس دیور
کو اڑھا کر دیا، اور سب بھاگ نکلا، اس قصے کیساتھ یولیسس کا واقعہ جو ہومر نے لکھا ہے، کسے یاد نہ آئے گا، جو ایک
آگے والے ساکھوپ پولی فیم کیساتھ پیش آیا اور جو جزئی تفصیلات میں بھی بالکل اس سندبادی قصے کا مشابہ ہے، بحری
سفر مصیبتیں اور انجام میں ہیرودکی کامیابی، یہ یولیسس کی مہموں اور سندباد کے سفروں دونوں
میں مشترک ہیں،

اس سے سوائے اسکے کیا نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ہومر کی نظم پوری طرح یکم از کم اسکے بہت سے نفع
عربوں میں اتنے معروف اور زبان زد ہو گئے تھے کہ لوگ ان کو اب اجنبی نہیں خیال کرتے تھے۔ ابن
نذیم (الفہرست ص ۳۰۵) کا بھی خیال ہے کہ سندباد و اجنبی اور غالباً ہندی تالیف معلوم ہوتی ہے
لیکن جیسا کہ ابھی عرض ہوا اسے ہندی کی جگہ یونانی سے ماخوذ قرار دینا صحیح تر معلوم ہوتا ہے،
یہ چند ناچیز ملاحظات ہیں، جو مولف فاضل کے غور کے لئے پیش کئے جاتے ہیں،

مختصر تاریخ ہند

ہمارے اسکولوں میں ہندوستان کی جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ لازماً
اور قصب سے خالی نہیں ہوتا، اور اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض
و عناد پیدا ہو جاتا ہے، مولانا ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کیلئے
اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو، ہندو اور مسلمان فرماؤ
نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہیں، وہ طالب علموں کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم
ہو جائیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱۲-۱۰

تاریخ صلیب جلد دوم

مرتبہ سید ریاست علی ندوی

اس میں سسلی کے عہد اسلامی کے تمدنی جغرافیہ، نظام حکومت، زراعت، صنعت و حرفت
تعمیر و تجارت، تہذیب، معاشرت اور علوم و فنون کا تفصیلی مرقع دکھا کر یورپ پر سسلی کے اسلامی
تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہیں، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت ۵-۵۰

”مستحضر“

دیوان شمس تبریز اور لیناوم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاد فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۶)

داخلی شہادت

خاموش کردم این زبان با کس گویم این ما
شدمش تبریزی عیان بر صفت دیوان
(دیوان شمس تبریز) (رومی)

داخلی شہادت، | حتی الامکان ہم نے اپنے مدعا کے اثبات میں تاریخی شہادت اور خارجی شواہد پیش کر دیے
خارجی شواہد میں بعض نہایت قوی اور یقین آفرین دلائل ہاتھ آگئے، جس سے شک و شبہ جاتا رہا لیکن
اس سے اہم اور واضح ترین شہادت وہ ہے، جو ہمیں دیوان ہی سے ملتی ہے، یہاں مماثلت اشتراک
اور تقابل کی بحث نہیں ہے، یہاں خود مولیناے روم کی زبان سے اس سوال کا شافی جواب ملتا ہے،
اور طالب حقیقت اس سے اطمینان کی آخری منزل پر پہنچ جاتا ہے،

اکثر فارسی شعرا کا قاعدہ ہے کہ غزل یا قصیدہ کے مقطع میں بالعموم اپنا تخلص لاساتے ہیں،
جس سے پڑھنے والے کو اس کا علم ہوتا ہے کہ یہ کلام کس کا نتیجہ فکر ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مقطع
بالتخلص لکھا گیا ہو لیکن مولانا سے روم کی یہ عادت نہیں، انہیں صرف فکر کلام ہی ہے، فکر نام یا
پابندی رسم عام بالکل نہیں، مثنوی مثنوی میں بھی شاذ و نادر ہی اپنا ذکر کرتے ہیں یا اپنا تخلص
نام لاساتے ہیں،

دیوان شمس تبریز کے
متعلق ایک غلط فہمی

دیوان میں بھی یہی حال ہے، ان کا اپنا تذکرہ دیا اپنا تخلص ڈھونڈنے والے کو بھی مشکل سے ملتا ہے، لیکن ایک بات نہایت عجیب ہے وہ یہ کہ کم و بیش تقریباً ساری غزلیات کے مقطعوں میں شمس تبریز کا نام ملے گا، کہیں کہیں مقطعوں میں بھی ہے کہیں غزل کے درمیان شمس کی مدح اور ان کا نام آتا ہے، یہ وہ بات ہے جس کے باعث بادی النظر میں دیوان کا سرکاری پڑھنے والا یہ دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ شمس تبریز نور اللہ قبرہ کا دیوان ہے، حالانکہ یہ غلط ہے اور ادنیٰ تو جسے دیوان پر نظر ڈالنے والا بھی کم سے کم اس منہ پر تو پہنچ ہی جاتا ہے، کہ شمس تبریز کا کلام نہیں بلکہ ان کے کسی عاشق بیتاب اور مضطرب اکمال مداح کا ہے، واقعہ کیا ہے، خود مولینار ہی کی زبان سے اس کا جواب دیا ہے،

جز قصہ شمس الحق تبریز گوئید، از ماہ پر سید کہ خورشید پرستیم

(دیوان شمس تبریز ص ۲۰۱)

تونیہ کے بدر کمال مولیناروم نے دیوان میں دراصل شمس تبریز کے اسرار اور انوار کا ذکر فرمایا ہے، حسب سابق یہی ہمارا دعویٰ ہے، اب ہم شمع و بسط کیساتھ دلائل پیش کریں گے،

درج شمس تبریز: یہ تو سب جانتے ہیں، کہ غزلیات میں حضرت شمس تبریز کا نام کثرت سے آتا ہے لیکن اس پر بہت کم غور کیا جاتا ہے، کہ یہ نام کس حیثیت سے آتا ہے،

حضرت شمس تبریز کا نام کم و بیش ہر ایک موقع پر مدح کی حیثیت سے آیا ہے، جس کا ظاہر ہے کہ اس کلام کے مصنف شمس نہیں بلکہ کوئی مداح شمس ہیں،

اس پر لوگ اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شاعر اپنی آپ توصیف کرتے ہیں وہ ایسی ہی تعریف ہوگی جسکی بنا پر یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ کلام شمس تبریز کا نہیں بلکہ کسی دوسرے کا ہے،

یہ سچ ہے کہ بعض فارسی شعرا خصوصاً قصائد میں اور کسی قدر غزل میں اپنی بیات اور

اور اپنے علم و فضل پر شاعرانہ تعلق کرتے ہیں، یا شرافت نسب پر اظہارِ فخر کرتے ہیں، جیسے عرفی اس خصوص میں مشہور ہے،

اقبال سکندر بجا بگیری نظمم برداشت بیک دست قلم با و علم را

غزل میں بھی کہیں کہیں اور کبھی کبھی شاعر کسی خاص پیرایہ میں اپنے آپ کو غیر فرض کر کے اپنی توفیق کا کوئی پہلو نکالتا ہے، لیکن اسکی حیثیت شاعرانہ تعلق سے زیادہ نہیں ہوتی، تعلق کبھی کبھی بڑی حد تک حقیقت پر مبنی ہوتی ہے، جیسے ڈاکٹر اقبال کا شعر ہے،

بیا اینجا کہ در ہندوستان دگر نمی بینی بر من زاده رخ آشنائے روم و تبریز است

یا حافظ شیراز حاسد سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں،

حدیثی بری اے سست نظم بر حافظ قبول خاطر و لطف سخن خدا داد است

در آسمان چہ عجب گر ز گفتم حافظ سماع زہرہ برقص اور دمسجارا

لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ ہر غزل میں، مقطع میں، مطلع میں، غزل کے درمیان میں جا بجا کوئی شاعر اپنے کمال اپنے علوم و تربیت اپنی روحانی فیصلت کا طومار باندھ دے، اور سارے دیوان کو صرف اپنا قصیدہ مدحیہ بنادے، خصوصاً جب کہ شاعر کوئی خود پسند نفس پرست، طالبِ نذر دربار دار کی کرنے والا شخص ہو، بلکہ غیور حق پرست اہل دل ہو، اور مقدس شخصیت رکھتا ہو، دیوان شمس تبریز میں شمس کا نام کسی خود پسند مداح کی حیثیت سے نہیں، بلکہ مدح و ثناء کی حیثیت سے آیا ہے، مدح تو مسلم ہے، لیکن مدح کی نوعیت بھی تو قابلِ غور ہے،

ہم ان مداحیہ اشعار میں سے چند اشعار درج کرتے ہیں، جن سے مدح کی نوعیت اور مدح و تحسین کی حیثیت دونوں کے متعلق صحیح اندازہ ہو جائے گا، مختلف غزلیات کے مطلقون مقطعون، اور غزل کے درمیان میں حضرت شمس کا نام اس طرح آتا ہے،

بے قطرہ نہ بھر شمس تبریزی،
مانند صدف ہزار دریاست

ماشقان عشق را بسیار با زیہا دم
چونکہ شمس الدین تبریزی کنوں شیراز

چون درختے را نہ بینی مرغ کے بخی درد
پس چه گویم با تو جان جان این تبریز

در دشمس الدین بود سرمایہ درمان
بے سرو سامانی عشقش بود سامان

ایک مدیہ غزل کے اشعار یہ ہیں :-

شمس تبریزی چون بانی جمال
جانفسزائی جانفرائی جانفسزا

شمس تبریزی توئی ہادی دل
رہنمائی رہنمائی رہنما

شمس تبریزی ز عشقت سو ختم،
جان مائی جان مائی جان مائی

بعض غزلیات میں سلسلہ دو دو شعر مدح کے ہیں،
دم مزن و ترک کن بہر دل شمس

زفت و اشارات را نظر و عبارات را
شمس کہ جانہا از ویافت مراعات را

می برد از بہر جان سالک اہل عیان
آورد صد ہزار پیام از دم ضیاء

آمدیم عشقی ز تبریز جانفسزا
لے یا ز دل و جان شمس حق تبریزی

نہست در ہر دو جہان چون تو شہ محمود
شمس تبریز چو شمس فلک از نور تو است

نور بخشنے ہمہ را از نظر سینا،
شمس تبریزی تو مارا محو کن

ز انکہ تو چون آفتابے ما چو مہ
منہز تبریز یاں شمس حق دین

ہست چو خورشید و منیت گرفتار
تو شمس دولت دینے خواہی چو نشینی

صد آفتاب فلک را چونید گاں نشانی
نشوئی ذا کر مناقب شمس

تا سرا نہ جیب او بدر نکسی،
مخدوم شمس الدین شمس ہم آفتاب ہم ہم

بر خاک از من سر نہم ہم سر بود زان ہم

عشق شمس الحق تبریز رہ قبلہ دین
جز بدیں دولت باقی بچہ بشیم نہرا

بلا داناشناسہ شمس تبریز
ترا این مردم نادان چه دانند

کے کر جان غلام شمس دین نیست
ز عشقش جان او خرم نگردد

در میان غزل میں ہر
ندانہ سر و برگ کا آں را،

چو شمس الدین تبریزی در آید
درختے را کہ شمس الدین نشاندا

بیک دم زان ہمہ دامت رہا نہا
مدح کے یہ اشعار جن میں بعض مقطع اور مطلعے ہیں، اور بعض غزل کے درمیانی حصے ہیں

ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں کہیں تو حضرت شمس کو ایک بحر حقیقت کی تشبیہ دیکھی ہے، اور اسکے ہر قطرہ

کو ہزار دریا کے مانند بتایا گیا ہے، کہیں شمس کے درد عشق کو اپنے لئے درمان سمجھا گیا ہے، کسی شاعرین

شمس کے مرتبہ عظمت کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے، کہ وہ چاند اور سورج ہیں لیکن لافانی،

کہیں مدحت کا یہ انداز ہے کہ حضرت شمس کی رفعت مکان کو آفتاب اور ماہتاب کو طبعاً ظاہر

کیا گیا ہے، اور اس طرح اپنے آپ کو ان کے آگے تجدہ تعظیمی کے قابل بھی نہیں سمجھا،

کیا مدح اور تعریف کے یہ سارے اعتبارات کسی شاعر نے اپنے لئے استعمال کئے ہیں، یا

کر لکھا ہے، کیا وہ ایسے اوصاف کو کثرت سے اپنی طرف منسوب کر سکے گا، جو اب جب نفی میں ہے تو

بہر مدح لکھی ہو

کیا شمس تبریز اپنی زبان سے اپنی مدح میں اس کثرت اور عقیدت کو کام میں لا سکتے

ہیں، ہرگز نہیں،

اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے، کہ یہ مدح یا مداحیہ کلام کسی طرح شمس تبریز کا اپنا

نہیں، بلکہ کسی غیر کا ہے، جس کا دل اور زبان دونوں مدح شمس میں اپنی ارادت و

عقیدت کی تسکین پاتے ہیں،

چنانچہ اس سے دیوان بھر پڑا ہے، دیوان کے علاوہ معنوی میں کئی اشعار مدح شمس میں ہیں جس کوصاف ظاہر ہوتا ہے کہ مداح کون جو اور ممدوح کسکی ذات والاصفات ہی

شمس تبریزی کہ نور مطلق است، آفتاب ست و زوار حق است،

چون حدیث روئے شمس الدین رسید شمس چارم آسمان رو در کشید،

خود غوی در جہان چون شمس نیست شمس جان باقی ست کو رامس نیست

در تصور ذات اورا گنج کو، تا در آید در تصور مشل را و

ہم مدح کے کچھ اور ایسے اشعار درج کرتے ہیں جو مندرجہ بالا اشعار سے زیادہ واضح طور پر مدح کی نوعیت کو ظاہر کرتے ہیں،

ز عشق شمس دین ایں طرفہ بندے، کزان بندم کشایش بود چنبدے

ز شمس الدین بود وصفت خدائی کہ می جوشد بدریا سے بقائے

ز شمس الدین بود جائز شرابے کز وجانت سرمست و خرابے

خسر و شرق شمس دین اند تبریز چون سڑ از مہ و از ستارگان والذمار آیدت

شمس تبریزی در آمد دردلم بے نہاد وز شراب عشق او گشت این رودیوار

شمس تبریزی فی تو شمس گردون ذرہ بے تومی بابہ کسوف و باتومی یابد حیات

عقیدت مند مداح سارے عالم کو نور شمس سے پر نور پاتا ہے

شمس تبریزی ز تو عالم پر نور و صفا ذرہ ذرہ از محیط لطف آن آثارست

شمس تبریزی صلاح اہل عالم آید آنکہ خاک پائش آمد بے ریامت آید

عشق شمس تبریزی عقیدت مند شاعر سامان بقا دیکھتا ہے

بشق شمس تبریزی بدہ جان، کہ تا چون عشق او پائیدہ باشی

میتیم ز جام شمس تبریز جام مے او مبادے ما

ایک غزل کا مطلع یہ ہے،

از دور بدیدہ شمس دین را، فخر تبریز و رشک چیں را

شمس سے ارتباط معنوی کا ذکر اس شان سے ہے،

شمس تبریزی جماعت ارتودوار جمیت فرض و سنت نیست الادب تو مرا

اس شخص اور ارادتمند کو شمس کی نسبت سے شہر تبریز بھی عزیز تھا شمس کی مدح سے تو دیوان

بھر پڑا ہے لیکن تبریزی کی شناخت و تعریف میں بھی کئی غزلیں ہیں، ان میں ایک غزل کا مطلع ہے

دیدہ چہل کن دلا وانگہ بہیں تبریز را بے بصیرت کے تو ان دیدن چیں تبریز را

ایک غزل کے آخر میں یہ مدحیہ اشعار مسلسل ہیں،

اے دل فامشی گرین و زبر ماجدین تاز خباب شمس دین نور حیات میرسد

گوہر ناب شمس دین جام شہر شمس دین ہر شہم از عطاے او قدر و برات میرسد

نقل و کباب شمس دین چنگ و رباب شمس دین ہر نفسم ز بزم او ہبسرہ ثبات میرسد

لے شہ و شاہ شمس دین قدرت حق جلال بشنواے مرید جان کا این چہ برات میرسد

ہر کہ نام شمس تبریزی شنید و بجدہ کرد روح او مقبول حضرت شدانا الحق میرسد

کیست آنکس کو چیں مردی کند اندجہا شمس تبریز آنکہ ماہ بدر را شتی می کند

شمس الحق تبریزی شاہ ہمہ شیرانت در مشیہ جان ما آن شیر وطن دارد

ہرگز نشود غافل از ذات صفات حق ہر کس کہ شمس یک ذرہ نظر یا بد

یہ پوری غزل مدح شمس ہی میں ہے

جانم بفدائے شمس دین
جانِ ملکی و جسمِ خاکی ،
رضاوان بہشت و ساکنانش ،
سر مست رضاے شمس دین شد
(الی آخرہ)

انتہائی تعریف ہے ،

اے شمس الدین شاہ تبریز از بند گیت شہنشاہانیم ،
شمس الدین تبریزی بر لوح چو پیدا شد
کثرتِ مدح گوئی سے یارائے گفتن ہی نہ رہا ، تو فرماتے ہیں ،
شمس تبریز کنون کز تو سخن گشت بسیط
لیکن یہ عاشقِ مخلص و مضطربِ حبیبی گفتار کا جزو مدحِ شمع ہے ، خود تعریف کرتے کرتے تھک
گیا جو تو دوسروں کو حکم دیتا جو شمس کی مدح کریں ،
اے حسام الدین جان کن مہرِ آن سلطانِ عشق گرچہ منکر در ہو اے عشق او دم نیرند
شمس تبریزی ستادہ مست در دستش کمان
یہ اشعار بھی مدحیہ ہیں لیکن تعریف و توصیف زیادہ نمایاں ہے ،
ان اشعار کو درج کرنے اور مہم اور واضح مدحیہ اشعار کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس
مدح کی نوعیت ظاہر ہو جائے ، جو شمس تبریز کے نام کیساتھ دیوانِ شمس تبریز میں پائی جاتی ہے
اس سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے ، کہ وہ کلام جس کے اجزایہ مدحیہ اشعار ہیں ، خود حضرت شمس جیسے ولی
کامل کا نہیں ہے ، کیونکہ اس مدح کی نوعیت کا مآں نہایت عقیدہ مندانہ اور ارادہ مندانہ ہے ، یحییٰ بن
برگزشتہ شاہانہ تسلیمی نہیں ہو سکتی ،

تاریخ و تذکرہ کے اوراق میں نظر ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدح کون ہوا حضرت
شمس سے اس قدر وابستگی کسکو ہے

پہ سالار حضرت شمس اور مولینائے روم کے روابط کے ذکر میں لکھتے ہیں ، جب جناب شمس
دمشق تشریف لے گئے ، تو مولینا نے کسی غزلیں لکھ کر بذریعہ سلطان ولد حضور کی خدمت باسادت میں
روانہ کیں ، ان میں حضرت شمس کی فہمِ شان اور عظمتِ مقام کا ذکر اس رنگ میں ہوا

بندائے کہ درازل بودہ است
نور او شمع ہائے عشقِ اخروخت
حی دانا و قادر و قیوم
تا بندہ صد ہزار سر معلوم
از یکے حکم او جان پر شد
عاشق و عشق و حاکم و محکوم
در طلعات شمس تبریزی
گشت گنجِ عجائبش مکتوم

یہ مولینا روم ہیں ، جنہوں نے شمس تبریز کو گنجِ عجائب لکھا ہے ، اور خدائے قادر و قیوم کی قسم
کے بعد حضرت شمس کی توصیف و تعریف کرتے ہیں ، مندرجہ بالا مدحیہ اشعار اور اس تعریف میں قطعی
یکسانیت ہو ضرور ہے ، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدحیہ اشعار اور وہ کلام جس کے یہ اجزائیں
مولینا ہی کا ہے ،

آخری شعر تو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ کلام مولینا ہی کی زبان فیض اثر پر جاری ہوا
اپنے کثرتِ مدح و ذکر سے بیاب اور ناتوان ہو کر حضرت حسام الدین کو حکم کیا ہے کہ وہ مدح
اس سلطانِ عشق کی کریں ، حضرت حسام الدین کی عظمت اور مولینائے روم سے ان کے روابط کا
اندازہ پہ سالار کے اس بیان سے ہو سکتا ہے ،

” ذکر رابع در خلافت حضرت حسام الدین عظم اللہ در جاتہ “

”بعد از شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ در مال حیات حضرت خداوندگار اندام تمام و بعد ازان نیز شیخ قائم مقام و خلیفہ و امام تہامت اصحاب حضرتین بود“

(سپہ سالار ص ۳۷)

صرف مولینائے روم ہی کے ساتھ حضرت حمام الدین طلی کے تعلقات اس قدر عاجز اور مودبانہ تھے کہ ان کے کوئی دوسرا شخص ان کو بطور حکم کچھ نہ کہہ سکتا تھا، کیونکہ ان کا مرتبہ تھا ”تہامت اصحاب ملازم ایشان بودند و ملازمت او تقرب بحضرت خداوندگار جہت“

(سپہ سالار ص ۳۷)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ سارے مدحیہ اشار اس مداح کے ہیں جس نے کثرت مدح سے تھک کر حضرت حمام الدین سے مدح کی فرمائش کی، اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت حمام الدین کو مدح کا حکم فرمانے والی مولینا روم کے سوا کوئی اور ہستی نہیں ہو سکتی پس دیوان شمس تبریز جو ایک حیثیت سے حضرت شمس کی مدح کا مجموعہ اور ان کے مناقب کا ذکر ہے، وہ مولینائے روم کا کلام ہے، اور مولینائے روم ہی جسم و جان سے عشق شمس اور مدح شمس میں مضطرب بنے ہوئے ہیں،

زہر عشق شمس الدین تبریز شدہ جان مضطرب وں چو زبانت
شمس الحق دین جویم من جنت او گویم از عشق رخس پویم آہستہ کہ سرمستم

سے مولینا روم کے ساتھ ان کے مودبانہ طرز عمل کے متعلق سپہ سالار کا بیان ”از جملہ آداب ادان بود کہ ہرگز در مدت ملازمت از حضرت خداوندگار قطعاً بتوضائی کہ بہ ایشان منسوب بود، در نیامد، در شبانہا زمان بوجہ دسرا و برف باران بسر اسے خویش رفتے و تجدید و ضو کردہ باز آمدی و دایم در حضور خداوندگار قدس سرہ بزمانہ ارادت نشستہ بودی، لاجرم بدین ادب سلوک یافت انچہ یافت“

فیض حضرت شمس کا اعتراف، ہم نے مدح شمس او کی نوعیت اور مداح شمس کے متعلق گفتگو کی ہے حیرت یہ ہوتی ہے کہ مولانا نے روم صیبا جلیل القدر عالم و عارف حضرت شمس کی مدح و ثنا کیوں کرتا ہوا اور وہ بھی اس جوش عقیدت سے، کوئی شخص بے وجہ کسی کی ثنا و تعریف نہیں کرتا، یا تو کسی کا بچہ ممنون ہوتا ہو یا اسے کسی صلہ خاص کی امید ہوتی ہے، درباری اور خوشامدی شعراء تو صرف طلب ذریا ہوں جاہ کے باعث اہل دولت کی مدح میں دل و دماغ زبان اور قلم کا زور صرف کرتے ہیں، لیکن حضرت رومی جیسے عارف حق شناس کو کسی ایسے اعتبار سے کیا سروکار مولینا روم کو کوئی ایسا فیض باطنی اور نعمت عظمیٰ حضرت شمس کی ذات سے پہنچی ہو کہ انکی شاکر فطرت اور ان کا قدر شناس دل اس کا اعتراف کے بغیر نہ رہ سکتا تھا،

مولانا نے روم حضرت شمس کی ملاقات سے پہلے زیادہ تر بحیثیت ایک عالم ظاہر کے ”اجبار رسول“ سے واقف تھے، لیکن جب شمس سے ملاقات ہوئی، تو خاص طور پر ”اسرار رسول“ کا افشاء جہاں تاب ان کے مطلع دل پر طلوع ہوا،
چون نور پاک شمس در پردہ جان دیدمش بے پردہ جان یافتم سر رشته اسرار را
شمس کی اس نفیس بخشی اور نو افشائی کا اعتراف بارہا مختلف پیرایہ میں کیا می ہم چہ اہم مثالیں درج کرتے ہیں، جس سے حقیقت حال کا اندازہ ہو جائے گا،

حضرت شمس کے فیض معنوی کا اظہار فرماتے ہیں،

مگر نیز ز تو شمس تبریز، تا کشف شود ہمہ معانی

شمس بحق تبریز من این شہد سکر ریز من صد شور شرار گفندہ اندر دل سید امن

ہر کہ او با شمس تبریزی نشست گشت صافی دل ز انوار قضا

ز عشق شمس تبریزیت فیض دید باطن زہ شریف کر نمازی انوار ربانی

سجدہ کن بہر نفس از پئے شکر آنکہ حق
در تبریز مرا بندہ شمس دین کند
ہر کہ ز جان و دل نشد چاکر شمس دین ما
در وہ علم و معرفت غافل و کوری رود
بفرود شمع جان راز جمال شمس تبریز
کہ دلت شود مصفا ز کدورت نہائی
و اگر نہ اسے دو دیدہ بدہم ز خاک تبریز
ز برائے کل دیدہ بکفت صبا غبار
ز حقیق شمس دینم تو بیا رہ بادہ ساقی
کہ شود سوار جانے و دل پیادہ رانی
چو شمس الدین تبریزی شود سرست عالم
ہزاران گوہر منی بفرق ما فرودیز
مولینا یہاں اپنی ممنونیت کی انتہا ظاہر فرماتے ہیں،

منکر از دیدہ انکار سوے دید شمس
ہر چہ ہستم سگ این کو چہ و این دگاہم
حضرت شمس کو اپنی نسبت کی نوعیت بیان فرماتے ہیں،

شمس تبریز کہ مشہور تر از خورشید است
منکہ پیمانہ ہستم چو سہر مشہورم

شمس تبریز ہمارا حقیقت بنمود
ما ز فیض قدم اوست کہ ایمان دایم

جب حضرت شمس تبریز قونیہ تشریف لائے اور مولانا نے ان کی صحبت کی میا خاصیت اختیار

فرمائی تو یہاں اس صحبت نے خلوت کی صورت اختیار کی، شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی کو خلوت میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، اکثر اصحاب پیش صحبت سے محروم رہے، ایک مدت تک تحمل کرتے رہے، لیکن اس عالم فراق سے رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہ دی، آخر کار بدبختی سے ان کے دلوں میں حسد کی آگ پیدا ہوئی، اور انھوں نے متعصبانہ حرکات شروع کر دیں، اپنی ارادت کو شیخ کی اداوت پر فضیلت دی فسق کو عشق جانا، جب ان کی گستاخانہ حد سے زیادہ گزرتی، اور اندیشہ فتنہ کا ہوا تو حضرت شمس اندر سے مصلحت و مشق کی طرف روانہ ہو گئے، مولانا نے بھی سب سے متنفر ہو کر عزلت اختیار کی،

”بعد از ہجرت ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع
حضرت شمس کی جدائی
کا ذکر دیوان میں،
وعزلت اختیار کر دیا“

حضرت شمس کے فیض اور ان کے دشمن کی بدبختی کا اظہار اس شعر میں کیا ہے،

اے شمس تبریزی مرا مقبول کمال ختی
و آنکس کہ آہ دشمنت ملون ابر ساختی

ایک اور موقع پر حضرت شمس کے فیض کو اس طرح بیان فرماتے ہیں،

جان را برآرد بہما از عزت رب العلا
گر زان کہ شمس الدین کند بر عاشق خویار

مولانا ہی وہ عاشق تھے، جن کی یاری اور دلداری کی خاطر حضرت شمس قونیہ تشریف لائے، یہ سالار

کی شہادت ملاحظہ ہوا

”سبب ہجرت مولینا شمس الدین تبریزی غزاسمہ بطرف روم و پوستان بحضرت خداوندگار

آن بود کہ وقتی مولینا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ: میح آفریدہ از خاخان تو باد

کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن در حال از عالم غیب اشارت رسید کہ اگر حریف خورای

بطرف روم سفر کن در حال ازان جاے متوجہ ولایت روم گشت و شہر مشہر جویان گشت

تا بحرہ قونیہ حرمہ اللہ تعالیٰ برسد“

دیوان میں ایک اور شعر ہے، جس میں اسی واقعہ اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہوا،

شمس تبریزی بروم آمد بر من شام بو
وقت صبحی من بہ تبریزش خرامان فہم

اپنی سستی اور باطنی انقلاب کے متعلق لکھتے ہیں،

شمس الحق تبریزی تا داد مرا جاے
از خوش صہبائش شوریدہ و سرمہ

اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ یہ شوریدہ و سرمست کون ہے، تو دیوان میں خود

ہی جواب دیتے ہیں،

روحی سر راہ ملاقات شد و نشست
اے خلق بدانید کہ عاشق و مستم
حضرت شمس کی ملاقات کا اثر
مولینا کی شمس سے ملاقات نہ صرف عاشقانہ مستی و شوریدگی کا باعث
ہوئی، بلکہ سخن بخش بھی ثابت ہوئی، اسماع اور شمس کا مشغلہ بڑھ گیا جو کیفیت
طاری ہوتی تھی، اسے من و عن اشعار میں بیان کرتے تھے،

سخن بخش زبان من چو باشد شمس تبریزی
تو فاش تاز بانہا خود چو دل حاکم
ان اشعار اور اس بیان کا واقعات اور سوانح سے جو ربط ہے، ملاحظہ ہو،
سپہ سالار کا بیان ہے کہ صحبت شمس سے مولینا پر ایسی شوریدگی اور سی طاری رہی کہ کھانے
پینے کا بھی ہوش ٹھیک نہ رہا۔ چنانچہ پہلی ملاقات کا حال لکھا ہے۔

”در حال ہر دو فرد آمدہ ہمدگر را معانقتہ دمضانہ کردند و چون شیر و شکم ہم در آمیختہ
چنانکہ دفعہ اول مدت شش ماہ آزاد در شیخ حجرہ شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ
بہم صحبت فرمودند چنانکہ قطعاً و اصلاً اکل و شرب و حاجات بشری در مابین نبود“

(سپہ سالار ص ۶۶)

یہ شوریدگی کا عالم تھا، اب سخن سرائی اور محفل سماع کی کیفیت سنئے،

”بعد ازان بیرون آمدہ حضرت خداوندگار را بسماع رغبت فرمود، و حلقے کہ
در شرح آن طولی و عرضے بہت در سماع بدیشان بیان فرمود و بعد از سماع صحبت ایشان

مخصوص بود و مولانا شمس الدین“
(سپہ سالار ص ۶۶)

مناقب کا بھی یہی بیان ہے،

”دائماً اسرار و غزلیات می فرمود“
(مناقب العارفین مطبع ستارہ اگرہ ۲۹۲)

شمس معنوی میں فیض شمس کا ذکر، شمس معنوی میں بھی حضرت شمس سے فیض کا ذکر مختلف مقامات پر ہے

واجب آمد چون کہ بردم نام او
شرح کردن رمزی از انعام او
از دور سایہ نشانے می دہد
شمس بردم نور جانی می دہد
این نفس جان دامنم بر تافت
باز گو رمزی از ان خوش حالما
تا زمین و آسمان خندان شود
عقل و روح و دیدہ صد خندان شود
من چہ گویم بیکر گم ہو نیار نیست
شرح آن یارے کہ آزا یار نیست
شمس در خارج اگر چہ بہت فرد
مثل او ہم می توان تصویر کرد
لیک آن شمس کہ شد مستش اثر
بودش در ذہن و در خارج نظیر
ان اشعار سے یہ امر بالکل عیان ہو جاتا ہے کہ حضرت مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کس آفتاب
کے فیض کا ذکر کرتے ہیں، اور ان میں اور شمس میں کیا ربط ہے، دیوان میں جو اس نوعیت کے اشعار
پائے جاتے ہیں، ان میں فیض رسان کون ہو اور فیضیاب ذات کس کی ہے،
بالآخر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ دیوان شمس تبریز جس میں اعتراف احسان اور تشکر فیضان شمس
کے مندرجہ بالا اشعار پائے جاتے ہیں، مولینا روم ہی کا کلام ہے، شمس کا نہیں ہے،

درفراق کا اظہار، حضرت شمس کی مدح اور ان کی فیض رسانی کے اعتراف میں جو جو اشعار
ہیں، وہ تو نظر سے گزر چکے، اور سوانح تاریخی کی روشنی میں یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ مدح کرنے
اور فیض پانے والی ممنون احسان شخصیت کس کی ہے،

اب ہم ایسے اشعار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو حضرت شمس کی نامعلوم غیر متوقع جدائی
پر لکھے گئے ہیں، ان میں آتش فراق اور دل کے اضطراب کی تصویر ہے،
زہ چشم مرا حاصل شدہ آئین خور تبریزی
زہجران خداوندی شمس الدین تبریزی

اندر طلب تو شمس تیریز، جا ز است مدام جیت و جوی،
 ز شمس الدین و لابس دور دوری، ز دوری گوئی پیمو نفع صوری
 اس نظم فراق میں یہ جو رنگ ہی وہ خون جگر ہی کا نتیجہ ہے،
 خود بین در نظم شعرم منگو مہر انگو، دیدہ و دل راز عشقش ہست خون پالا
 خون می جوشد منش از شررنگی می ہم، نافہ خون آلود گرد و جامہ خون آلا
 من چون جان داری بدم در خدمت آن باندا، اینک اکنون در فراقت می کنم جاں سنا
 غم فراق در دے دوا ہے،

از فراق شمس دین افتادہ ام در نگنا، اوسج روزگار و در چشم بے دوا
 شمس تبریزی من دل پڑاے شویدگان، ہر روز از عشق رخس شورید شورید تر م
 حالت جدائی میں باد صبا کے ذریعہ سلام اور پیام بھیجے ہیں،
 باد صبا سلام ما جانب شمس دین رسان، کہ نظر قبول اورا رہ بقا بر برم،
 الا اے شمس دین یکدم عیاں شو، کہ در عشقت سر سے دارم چون گوئی

دور فراق شمس کی منظوم تصویر تو دیوان میں ہم نے دیکھی لیکن سوال یہ ہے کہ وہ عاشق بیتا
 کون ہو جو جبران شمس میں خونریزی کر رہا ہو جس کی جستجو میں وہ مجسم طلب دوام بنا ہوا ہے جس کی
 شوریدہ مہری اور خونچکانی کا یہ عالم ہے کہ کلام سے یہ رنگ صاف ظاہر ہے ہم تاریخ و تذکرہ
 سے دریافت کریں کہ وہ کون سی جہت جس کی فراق شمس میں حالت ہوئی تو امید ہے کہ ہمیں جواب
 شافی مل جائے گا۔ پہ سالار حضرت شمس اور ان کے اصحاب کا معتبر ترین تذکرہ ہے لیکن اس میں کسی
 کے متعلق یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جدائی شمس سے انکا ایسا حال ہوا اور ان کی بیابانی کی یہ کیفیت ہوئی
 البتہ مولانا سے روم کے در جدائی شمس کے متعلق پہ سالار کا یہ بیان ہوا

تعبت ایشان بخصوص بود مولانا شمس الدین بدان سبب اکثر اصحاب از بندگی حضرت ایشان
 محروم می مانند و دلتے بسیار تحمل می کردند مگر جماعت بعد از مرجم قریب اندامی بخشند ہر گز
 ممکن نہ شد لاجرم بواعث حسد در نفوس ایشان مستغرق گشت..... ماقبت اخبار انکار را
 بردے کار آوردند و فسق را عشق شمر دند، حضرت شان از خارا انکار آن جماعت
 بر ہم نمی شد..... چون از حد تجاوز کردند دانست کہ بغض خواهد شدن بقتلہ بسیار جیت
 مصلحت وقت علی حین الغلہ محروسہ دمشق ہجرت فرمود، بعد از ہجرت ایشان خدائے
 از تمامت اصحاب انقطاع و غزلت افتاد رکرو..... ناگاہ از حضرت مولانا شمس الدین بخلاف مذکورہ
 دشمن مکتوباً بعد از ان حضرت خدو مذکورہ شوق عشق آنحضرت باز بہار شد و کلمات و غزلیات انتفا فرمود
 تذکرہ و واقعات میں یہ حال سوائے مولانا سے روم کے کسی اور سے غسوب ہی نہیں، اور یہ
 غزلیات وہی ہیں جنہ در فراق اور غم جدائی کے چند اشعار ہم نے بطور مثال دیوان سے منتخب
 کر کے لکھے ہیں، حقایق حیات اور اشعار کا یہ واضح ربط اس امر کی کھلی ہوئی داخلی شہادت ہے کہ دیوان
 شمس تبریز حضرت شمس کا کلام ہرگز نہیں، بلکہ ان کے جان نثار و عاشق مولانا روم کا کلام ہوا
 ابھی پہ سالار کے بیان سے معلوم ہوا کہ جب دمشق سے ان کے نام حضرت شمس کا خط آیا تو
 مولانا کو انکا پتہ لگا، اور یک گونہ اطمینان ہوا، دیوان میں اس مضمون کا ایک شعر ہے،
 رسید مژدہ بہ شام است شمس تبریزی، چہ صہما بہ نماید اگر بہ شام بود،
 مولانا اس حال میں مقیم تو تھے تو نیہ میں لیکن دل اکا دمشق میں تھا چنانچہ دیوان کی بھی شہادت ملتی ہے
 عاشق سرگشتہ و شیدا کی و مشقتم، جان دادہ و دل بستہ بودا کی و مشقتم
 از روم بہازیم و گر بار سوسے شام، کز طرہ چوں شام مطرانی و مشقتم
 از مکن معروف چو بگرفت دل ما، ما طالب تالیف ترا بنائے و مشقتم
 (کلیات شمس تبریز ص ۴۷)

اسکے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ سلطان ولد مع ایک مختصر جماعت کے طلب شمس کیلئے بجانب دمشق روانہ ہو گئے اور مولینا نے کئی غزلیں لکھ کر خدمت شمس میں روانہ فرمائیں۔

حضرت خداوندگار قدس سرہ این غزل را در طلب حضور شریف مولینا شمس الدین رضی اللہ عنہ انشاء کردہ بسبب سلطان ولد رضی اللہ عنہ ارسال فرمود،

بجز این کہ در ازل بود دست، حی و دانا و قادر مہیوم،

اسی سلسلہ میں ایک شعر ہے جس کو معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہ ایک غزل نہیں تھی اور بھی غزلیات تھیں، پس بہ ذوق سماح نامہ تو! غزلے پنج و شش بشد منظور،

(سپہ سالار ص ۶۷)

دیوان میں اسی واقعہ سے متعلق ایک غزل ہے کہ جس کا ایک شعر یہ ہے:-

ز لوح عشق نوشتیم این غزل لہارا، ہنم منفر تہریر ازین غلام برید

حضرت شمس کی تونیہ کو دایسی جب سلطان ولد حاضر خدمت ہوئے اور مولینا کا سلام و پیام پہنچایا تو حضرت شمس نے تونیہ کا عزم فرمایا،

سلطان ولد باتمامت یاران بندگیش در آمدہ سر بسجہ عبودیت نہادند و سلام

حضرت خداوندگار و مکتوب رسانیدند، مولینا شمس الدین بجنہ خوش فرمود امارا بسیم و ذر

چہ میفرید، امارا طلب مولینا محمدی سیرت کفایت است، و از سخن و اشارت او

تجادز چگونہ توان کردن..... چون مصالح تمام شد عنان عزیمت بظرف تونیہ روان

فرمودند..... چون جز وصول ایشان بقونیہ رسید حضرت خداوندگار باتمامت اکابر و اعظم

باستقبال بیرون آمدند،..... ہر دو آفتاب حقیقت ہم دگر قرآن کردند..... حضرت خداوندگار

قدس سرہ پیش از اول حضرت مولانا شمس الدین قدس اللہ سرہ در آمیخت! (باقی)

اکبر کا علمی ذوق

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب رفیق دار المصنفین،

(۲)

ارباب کمال اس جماعت میں سب سے پہلے ہماری نظر ابوالفیض فیاضی پر پڑتی ہے جو شیخ مبارک کا خلف اکبر تھا، اس کے علم و فضل کی شہرت نے بیس برس کی عمر میں اسے اکبر کے دربار تک پہنچا دیا، جہاں وہ چار صدی منصب پر فائز ہوا، اور جب تیس برس کا ہوا تو ملک الشعراء کے گراں بہا خطاب سے نوازا گیا، عربی، فارسی اور سنسکرت کا جید عالم تھا، اس نے ایک سو ایک کتابیں مختلف زبانوں میں تالیف کیں، اسکی اکثر تصانیف کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس کا علمی شغف اس قدر بڑھا تھا کہ جب وہ رات کو اپنے کتب خانہ میں ۳۰۰ کتابیں چھوڑیں، جو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں، شاعری میں کیا ہے روزگار تھا، پہلے فیضی پھر فیاضی تخلص کرتا تھا، چنانچہ خود کہتا ہے،

زین پیش کہ کہ ام سخن بود فیضی رستم نگین من بود

انوں کہ شدم بیتی مرتاض فیاضیم از محیط فیاض

اس کے قصائد، غزلیں، اور مثنویاں فارسی کی بہترین نظموں میں شمار کی جاتی ہیں، اس کے

شعار کے نوے آئین اکبری میں کثرت سے دیئے ہیں، اس کے کل کلام کی تعداد ۵۰ ہزار کے لگ بھگ

ہے اس کے دیوان کا نام طباشیر الصبح ہے،

اکبر کا محبوب ترین دوست تھا، اس کو ہمیشہ پاس رکھتا تھا، اور اسکی ہمہ گیر قابلیت سے برابر فیض

ہوتا رہتا تھا، اکبر کے لڑکوں کی تعلیم اسی کے ذمہ تھی، سترہ برس میں وفات پائی، جب بستر مرگ پر تھا تو ایک رات اکبر کو خبر ہوئی کہ وہ عالم نزع میں ہے، وہی رات گزر چکی تھی، مگر اکبر اپنے محبوب دوست کے گھر پر اسی وقت شاہی حکیم لے کر پہنچا، اضطراب میں فیضی کا سر کپڑا کر بولا، "شیخ جو، آنکھیں کھولو، بولو دیکھو حکیم علی کو ساتھ لایا ہوں، آخر بولتے کیوں نہیں ہو، مگر فیضی کی زبان بند ہو چکی تھی، اکبر نے پھر جھجھوڑا، مگر اس مرتبہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، غایتِ اضطراب اور صدمہ میں اکبر نے سر سے دستار اتار کر زمین پر پھینک دی۔

فیضی کی لیاقت، قابلیت، ادب، نظر اور وجودِ طبع کے تمام واقعات کا معترف ہیں، ملا علی قاری نے اس کو عقیدے کے لحاظ سے بہت ہی سخت اور برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، مگر جہاں اس کی علمی لیاقت کا ذکر آتا ہے، اس کی خوبیوں کی داد دل کھول کر دیتے ہیں، اس کی ثنوی نثر دمن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کتاب تین سو سال کے اندر نہیں لکھی گئی، ایک جگہ اسکے بارے میں لکھتے ہیں "در فنون جزئیہ از شعر و سما و عروض و قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشاء و عدیل در روزگار نداشت صاحب اثر الامرا اس کی قابلیت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

"بدقت طبع و وجود ذہن از جمیع علوم بخشی وافر برداشتم، در حکمت و عربیت بیشتر متبع نموده و پزشکی دانش فراہم گزرتہ و بخوران تہی دست را چارہ می کرد۔"

موجودہ دور کے اربابِ کمال بھی اس کے کمال کے معترف ہیں، مولانا شبلی لکھتے ہیں:- "فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کئے جن کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، شعر و ادب فیضی، مرزا صاحب فیضی کی طرح پرغزل

کہتے ہیں اور مقلع میں کہتے ہیں،

۱۔ ملا علی قاری جلد اول صفحہ ۱۷۱، ملا علی قاری جلد سوم صفحہ ۲۹۹، ۲۔ اثر الامرا صفحہ ۱۵۸

ایں اس غزل کہ فیضی شیریں کلام گفت، در دیده ام خلید و در دل نشستہ فیضی کی خصوصیات میں سب سے بڑھ کر جوش بیان جو جس کا وہ موجد بھی ہے، اور خاتم بھی، جوش بیان خواجہ حاکم میں بھی ہے، اور اعلیٰ درجہ پر ہے، لیکن رندانہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ مخصوص ہے فیضی کے ہاں فخریہ، عشقیہ، فلسفیانہ، ہر قسم کے مضامین میں وہی جوش پایا جاتا ہے، جوش بیان اس کے ذاتی حالات کا خاص اثر ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔

محمد حسین آزاد گوہر نشان ہیں کہ

انشاء پر داری فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے، اس کے "لطیف استعارے، رنگین تشبیہیں، بلند مضامین، نازک خیالات، فصیح زبان، لفظوں کی عمدہ تراشیں، دلکش ترکیبیں، اداسے مطلب کے انداز دیکھنے کے قابل ہیں۔"

فیضی کے بعد یکایک اس کے چھوٹے بھائی علامی فہامی شیخ ابوالفضل پر نظر پڑتی ہے۔ ابوالفضل نے ۱۵ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تعلیم پا کر فراغت حاصل کر لی تھی، ۱۷ سال کی عمر میں آیت الکرسی کی تفسیر لکھ کر اکبر کی خدمت میں گزرائی، فیضی شاہی بارگاہ سے منسلک ہو چکا تھا، اس کے ذریعہ سے ابوالفضل کی لیاقت اور ذہانت اکبر کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، چنانچہ تختِ نشین کے نویں سال ابوالفضل شاہی ملازمت میں داخل ہو گیا، پھر تو شاہی جوہر و کرم کی بارش اتنی ہوئی کہ وہ چار ہزاری منصب پر فائز ہوا، اور عمدہ وزارت پر سرفراز ہوا، وہ ایک کامیاب سیاست دان، بیدار مغز مدبر اور ہوشیار سپہ سالار ہونے کے علاوہ ایک بے مثل ادیب، مورخ اور شاعر تھا، اور علامی کے ممتاز لقب سے ہمیشہ یاد کیا جاتا تھا، اس کی قابلیت اور لیاقت ہر جگہ اور ہر زمانہ میں تسلیم

۱۔ شوالیم حصہ سوم صفحہ ۱۷۱، دربار اکبری صفحہ ۱۳۷

کی گئی، صاحب آثار الامرا لکھتے ہیں کہ:

”بجودت طبع و رسائی فہم و علوفطرت و طلاقت لسان در کمتر زمانے رنگا نہ وہا ہوتا
رقت گردید۔“

اردو کا سب سے بڑا انشا پرداز جو فارسی کا بھی مسلم الثبوت استاد تھا لکھتا ہے کہ
”شیخ کی انشا پردازی اور مطلب نگاری کی تعریف نہیں ہو سکتی، یہ نعمت خدا داد ہے کہ
خدا کے ہاں سے اپنے ساتھ لایا تھا، ہر ایک مطلب کو اس خوبصورتی سے ادا کرتا ہوں کہ
سمجھنے والا دیکھتا رہ جاتا ہوں، بڑے بڑے انشا پردازوں کو دیکھو جہاں عبارت میں
لطف اور کلام میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بہار سے رنگ لیتے ہیں اور حسن و
جمال سے خوبی مانگ کر کلام کو رنگین و نمکین کرتے ہیں، یہ قادر الکلام اپنے پاک
خیالات اور سادہ الفاظ میں اصلی مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ ہزار رنگینیاں
ان پر قربان ہوتی ہیں، اس کے سادگی کے باغ میں رنگ آمیزی کا مصور اگر قلم
لگائے تو ہاتھ قلم ہو جائیں، وہ انشا پردازی کا خدا ہے، اپنے لطف خیالات سے
بھری مخلوق چاہتا ہے الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے، لطف یہ ہے کہ جس عالم
میں لکھتا ہے نیا ڈھنگ ہے اور جتنا لکھتا جاتا ہے عبارت کا زور بڑھتا اور چڑھتا
چلا جاتا ہے، ممکن نہیں کہ طبیعت میں تنہا معلوم ہو۔“

ایک انگریز مورخ اس کے انشاء کے متعلق اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے:-

”ابوالفضل کے طرز انشاء پر کسی قسم کی رائے پیش کرنا بے سود ہے، عبداللہ شاہ
بخارا کہتا تھا کہ وہ اکبر کی تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ ابوالفضل کے قلم سے ڈرتا ہے۔“

لے آثار الامرا حصہ دوم صفحہ ۶۰ لے دربار اکبر کا صفحہ ۴۹

ہندوستان میں ہر جگہ وہ ایک زبردست منشی تسلیم کیا گیا ہے، اس کے مکتوبات تمام ہاں
میں پڑھائے جاتے ہیں، اگرچہ ایک مبتدی ان کو پڑھنے میں مشکلوں اور پیچیدگیوں سے
گھبرا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ انشاء کے کمال نمونے ہیں، ابوالفضل کی کتابوں سے
لطف اٹھانے کے لئے نہ صرف فارسی زبان پر کافی عبور بلکہ خود ابوالفضل کے طرز
انشاء پر کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اس کا طرز بے مثل ہے اور گواہی
تحریر ہر جگہ پڑھی جاتی ہے، لیکن اس کا اتباع نہ کیا گیا ہے، اور نہ کیا جاسکتا ہے۔

ابوالفضل کے مختلف تراجم، اور تاریخی شاہکار اکبر نامہ اور آئین اکبری کا ذکر اوپر آچکا ہے
ان کے علاوہ انشاء ابوالفضل، کشکول، اور جامع اللغات بھی اس کی علمی یادگاریں ہیں
انشاء ابوالفضل اس کے خطوط کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ اب تک مختلف مدرسوں میں فارسی
کے درس میں شامل ہے، کشکول میں ابوالفضل کی لکھی ہوئی وہ تراجم و نظمیں ہیں، جو اس نے
یادداشت کے لئے وقتاً فوقتاً لکھ لی تھیں، جامع اللغات میں وہ الفاظ مع معانی کے لکھے ہوئے
ہیں، جو ابوالفضل نے شاید طالب علمی کے زمانہ میں لکھے تھے،

ابوالفضل شہزادہ سلیم کے اشارے سے بندھیل کھنڈ کے ایک زمیندار بیر سنگھ کے ہاتھوں
سبیلہ میں قتل ہوا، جب اس حادثہ کی خبر شاہی دربار میں پہنچی تو کسی کی بہت نہیں پڑتی تھی
کہ اس سانحہ کی خبر اکبر تک پہنچائے، آخر کار ابوالفضل کا وکیل سیاہ باس پہنکر دست بستہ
اکبر کے حضور میں آیا، چغتائی خاندان کے کسی شہزادہ کے جب انتقال کی خبر آتی تو اس کا وکیل باج
تک اسی طرح خبر پہنچاتا تھا، ابوالفضل کے وکیل کو جب اکبر نے دیکھا تو متحیر ہو گیا، خبر جانکاہ سنکر فرط
غم سے نڈھال ہو گیا اور بولا

لے بلاخ من، تہمد آئین اکبری،

”اگر شاہزادہ راداعیہ پادشاہی بودے مرا کشتے، و شیخ را نگاہ داشتے“

اور پھر یہ شعر پڑھا،

شیخ ما از شوق بے حد چوں سو ما آمدہ ز اشتیاق پائے بوسی بے سرو پا آمدہ

دربار اکبری کے علم و ادب کے گلدستہ کا گل سر بہ عبد الرحیم خاتناں بن بیرم خان تھا یہ صاحبِ قلم اور صاحبِ سیف دونوں تھا،

بیرم خان کے تعلقات شاہی دربار سے آخر میں خواہ کیسے ہی ہو گئے تھے لیکن

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت تھی کہ وہ ہندوستان میں تیموری سلطنت کے بانیوں میں سے تھا

اور اکبری کی دستگیری اور پشت پناہی اس وقت کی جب وہ مشکوں میں گھر کر بے پناہ مورہا

تھا، احسان شناس اکبر نے بیرم خان کے مرنے کے بعد اس کے رط کے عبد الرحیم کو اپنی تربیت میں

میں لیا، اور اسکی پرورش اور تعلیم اپنی زیر نگرانی کی، جب سن شعور کو پہنچا تو خان مرزا کے خطاب سے

سرفراز کیا، اور پھر سپہ سالار بنکر خاتناں ہوا، ہم کو اس وقت اس کی شجاعت، تدبیر، فتوحات

اور جنگی معرکوں سے کسی قسم کی بحث نہیں، بلکہ ہم کو اس کے تبحر علمی، کمالِ انشا پر دازی، علم دوستی

اور ادب پروری پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کرنا ہے،

علمی حیثیت سے خاتناں کا درجہ نہایت ہی ممتاز اور بلند تھا، دنیا کی اکثر مروج زبانوں

پر ہمارے تمامہ رکھتا تھا، فارسی اس کی مادری زبان تھی، اس کی فارسی نثر اپنی سادگی، شستگی

اور برجستگی کے لحاظ سے اب بھی بہت مقبول ہے، تزکِ باری کا فارسی ترجمہ جو اسی کے

قلم کار ہیں منست ہے، اب تک انشا کے لحاظ سے بے مثل خیر سمجھی جاتی ہے، اور ارباب

ذوق اس کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس نے اپنی فارسی شاعری کا ایک دیوان بھی

لے آثار الہام جلد دوم ص ۶۱۷ ۱۷۵ تفصیل کے لئے دیکھو آثار الہام حصہ دوم صفحہ ۶۹۶

مرتب کیا تھا، مگر وہ اب مفقود ہے، مآثر رحیمی میں جس کو خاتناں کی زندگی میں عبد الباقی بناؤند

نے لکھا ہے، کثرت سے نمونے درج ہیں،

خاتناں کی سخن سنجی اس کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ مشہور، معاصر شعرا نظیری، عربی، خلیجی

اور انیس کے مقابلہ میں غزلیں کہتا اور سب میں ممتاز رہتا تھا، ایک بار طرح تھی، چند است

پند است، فرزند است، تمام شعراے اکبری نے اس زمین پر اپنا اپنا شہبِ قلم دوڑایا مگر

میدان خاتناں کے ہاتھ رہا، نظیری نے بھی اس طرح پر ایک غزل لکھی تھی، خاتناں اور

نظیری کی غزلوں کو موازنہ کرتے ہوئے مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ

”صاحبِ ذوق سمجھ سکتا ہے کہ خاتناں کے کلام میں جو صفائی، شستگی، دلاویزی

اور سوز و گداز ہے، نظیری کی غزل اس سے بالکل خالی ہے“

خاتناں عربی میں بھی اعلیٰ یاقوت رکھتا تھا، نہایت دقیق، منطوق اور منسلک عربی کے معنی کو

نہایت آسانی سے بیان کر دیتا تھا، ایک بار شریف کلمہ نے اکبر کو خط لکھا، عبارت اس قدر منسلک تھی

کہ ابو الفضل اور فتح اللہ شیرازی کو مفہوم سمجھنے کے لئے لغت کی ضرورت ہوئی، خاتناں نے

اسے فوراً لیا، خط کی عبارت پڑھتا اور برجستہ ترجمہ کرتا جاتا تھا، جس کی داد تمام اہلِ دربار نے دی

ترکی خاتناں کی مادری زبان سمجھنا چاہئے، اس زبان میں اس کی یاقوت مسلم الثبوت

تھی، ہندی زبان کا پرگو شاعر تھا اور سب سے زیادہ اسی زبان میں شاعری کی، لیکن افسوس ہے

کہ اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا ہے، مآثر رحیمی میں ہے،

”در زبان ہندی یہ بیضا نمودہ اند، چنداں اشعار تین و ابیات دلنشین کراشاں

در آن زبان دارند هیچ یک از فحول شعرا کے آن زبان را نیست، دست از ثبت

لے شعراجم جلد سوم ص ۵۱ (۵۱۷ مآثر رحیمی، جلد دوم صفحہ ۵۵۶)

نمودن آنها بازداشتہ باشعاری کہ زبان فارسی فرمودہ اند اکثاف نمود و تخلص اندام
واحسانی کہ بشعاری زبان نمودہ وہ برابر آن ہندی زبانان نمودہ باشند و چنداں
اشعار کہ آن جامعہ در مدح ایشان گفتہ اند فارسی گویاں عشر عشر گفتہ اند

یہی مصنف ایک جگہ لکھتا ہے کہ اکبر کو سلاطین یورپ سے برابر مراسلت کرنی ہوتی تھی
اس لئے خانخاناں کو یورپین زبان سیکھنے کا حکم دیا جس کو اس نے سیکھا، مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن
کن زبانوں سے اس نے واقفیت حاصل کی تھی، بہر حال وہ بہت سی زبانوں پر مہارت رکھتا تھا
مآثر الامرایں ہے :-

”خانخاناں در قابلیت و استعدادیکتاے روزگار بود و او عربی و فارسی و ترکی
و ہندی رواں داشت، شعر خوب می فهمید و می گفت، رحیم تخلص می کرد، گوید کہ با کثر
زبانہا کہ در عالم رائج است حرف می زد“

خانخاناں نے اپنے علمی ذوق کے نشوونما کے لئے ایک بے نظیر کتب خانہ قائم کیا تھا جہاں زمانہ کے
مشہور شعرا و نے اپنے دیوان خود لکھ کر داخل کئے تھے، دربار اکبری کے اکثر باکمال اسی دار الحکمت
کے تربیت یافتہ تھے، عربی، شکستہ، جاتی، نلوری، ملک قمی، نظیری، محشم کاشی، رتھی، نوئی
شیرازی وغیرہ جیسے بلند پایہ شعرا اسکی زیر پاشیوں سے ہمیشہ فیضیاب ہوا کرتے تھے، اس کی
علم پروری و فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ نوئی شیرازی کو سونے میں تلوادیا، نظیری نے ایک
بار کہا کہ اس نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر نہیں دیکھا ہے، خانخاناں نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر
جمع کر کے دکھایا پھر وہ ڈھیر اس کے گھر بھجوا دیا،

۱۰۰ آثار جمعی جلد دوم ص ۵۶۲ مآثر الامرا جلد دوم ص ۵۶۲

۱۰۰ خزائن عامرہ تذکرہ نوئی ص ۵۶۲ مآثر الامرا جلد دوم ص ۵۶۲

ان ادب کمال میں ملا عبدالقادر بدایونی کا درجہ علمی حیثیت سے کم متاثر نہیں تھا، ملا صاحب
۱۰۰۰ میں شاہی دربار میں ملازم ہوئے، عربی، فارسی، سنسکرت، تفسیر اور تاریخ کے علیل القدر
عالم تھے، اس لئے تصنیف، تالیف اور ترجمہ کے کام پر مامور ہوئے، علاوہ تنخواہ کے وقتاً فوقتاً
انعامات و اکرامات سے مالا مال ہوتے رہے، آواز بڑی شیریں اور دلکش پائی تھی اس لئے شروع
میں شاہی امام بھی مقرر ہوئے، ان کے مختلف تراجم اور تاریخ الفی کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان کے
ملاوہ اور بھی تالیفات ہیں، نجات الرشید، کتاب الاحادیث اور منتخب التواریخ،

ملا صاحب کی تمام تصانیف میں منتخب التواریخ نے بڑی شہرت حاصل کی ہے، یہ تین حصوں میں منقسم ہے، پہلے
حصہ میں اکبر کے قبل سلاطین ہند کے کوائف ہیں، دوسرے میں اکبر کے حالات ہیں، تیسرے میں
علماء، فقراء اور شعرا کا ذکر ہے، ایٹ صاحب اس تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

”یہ ان چند کتابوں میں ہے جن کا ترجمہ بہت مفید ثابت ہوگا، لیکن اس کے لئے

فارسی زبان میں کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اور ساتھ ہی ساتھ ہمعصر تاریخوں
سے کامل واقفیت بھی چاہئے کیونکہ مصنف نہ صرف نامانوس الفاظ استعمال کرتا ہو بلکہ
مذہبی مناظرے، تعریف و توصیف، ہجو و ذم، ذاتی اور خاندانی تاریخوں کی تفصیلات
تو اس طرح بیان کرنے لگتا ہے کہ واقعات کا تسلسل قائم نہیں رہتا، اور پھر سلسلہ تاریخ
قائم کرنے میں کافی دقت ہوتی ہے، لیکن ہمیں اس کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہی غیر متعلقات اس کی
تصنیف کے دھسپ چھے ہیں، بہت کم ایسے واقعہ نگار ہیں جو بدایونی کی طرح اپنے جذبات کا اظہار
کرنا چاہتے ہیں، خصوصاً جو شاہی کانون کو ناگوار ہوں یا جو اپنی غلطیوں اور لغزشوں کو

۱۰۰ بدایونی جلد دوم ص ۱۰۰ ۱۰۰ بدایونی جلد دوم ص ۲۰۰ اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

۱۰۰ میں موجود ہے، ۱۰۰ بدایونی جلد اول ص ۱۰۰

اس وضاحت اور بے قبحی کے ساتھ آسٹرا کر دیتے ہوں،

محمد حسین آزاد جو ملا صاحب سے خوش اس لئے نہیں نظر آتے ہیں کہ وہ ان کے مدد میں کو اپنے الفاظ سے نہیں یاد کرتے ہیں، اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ بتائی ہے کہ ملا صاحب نے اس تاریخ میں غیر کی یا اپنی کوئی بات چھپائی نہیں،

اس کتاب کی صاف گوئی اور حق پسندی کے سبب جہانگیر نے اپنے زمانہ میں اس کی اشاعت بند کر دی تھی، بات یہ تھی کہ ملا صاحب بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے، جس بات کو خلاف شرع و مذہب سمجھ لیتے تھے، پھر اس کے دیکھنے کے روادار نہ تھے، اکبر کے مذہبی خیالات کو نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے، اور جو لوگ اکبر کے خیالات میں ان تبدیلیوں کے باعث ہوئے تھے ان کو کاذب، ملحد، کافر، ملعون، بے دین، از حد بخت کے الفاظ سے یاد کرتے، اور ان تمام

خیالات کو اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی مذلت بلکہ جان و مال کے نقصانات کا سبب قرار دیتے ہیں، اسی لئے فیضی اور ابو الفضل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں، مگر باوجود ان کے سخت عقائد کے ان کے علمی تبحر کو سب تسلیم کرتے تھے، عظیم الشان علمی کاموں کے لئے شاہی دربار سے ہمیشہ ملک الشعراء فیضی یا علامہ ابو الفضل یا ملا عبدالقادر منتخب کے جاتے تھے، اکثر تئیں با ملا صاحب

ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملکر علمی کارنامے انجام دیتے تھے، فیضی ملا صاحب کی قابلیت کا بہت معترف تھا، کچھ دنوں اکبر نے ملا صاحب کی طرف سے بے اتفاقی کو راہ دی تھی، اس پر فیضی نے بارگاہ شاہی میں ایک عرضیہ لکھا جس میں اکبر سے خطا پوشی اور عطا پاشی کی درخواست کی، پہلے ملا عبدالقادر کی یاقوت و قابلیت کا ذکر اس طرح کرتا ہے،

”شکستہ نواز، ملا عبدالقادر اہمیت تمام دار و علوم رسمی انجہ ملایان ہندوستان

لہ ایٹ جلد پنجم صفحہ ۴۴ دربار اکبری صفحہ ۴۴

ی خواندہ خواندہ پیش خدمت ابوی کس فضیلت کردہ و قریب بسی و ہفت سال شیوہ کہ بندہ اور امی دانم و با فضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ انشاے عربی و فارسی و چیزے از نجوم ہندی و حساب یا و داشت در ہم وادی و وقوت در فخر و ولایت و ہندی و خبرے از شطرنج صغیر و کبیر و اردو و مشق بن بقدری کردہ با وجود و بہرہ مند بودن ازین ہمہ فضائل بہ بے طبعی و قناعت و کم تردد و نمودن و راستی و درستی و ادب و نامرادی و شکستگی و گذشتگی و بے تعینی و ترک اکثر رسوم تقلید و درستی اخلاص و عقیدت بدرگاہ بادشاہی موصوف است۔

پھر اس کی سفارش ان الفاظ میں کرتا ہے:

”چوں درگاہ رستان است دریں وقت کہ بے طاقتی زور آورده بندہ خود را حاضر پایہ سریر والادانستہ احوال او بعرض رسانید اگر دریں وقت بعرض فی رسانید نوعی از ناراستی و بے حقیقتی بود حق سبحانہ بندہ سے درگاہ را در سایہ فلک پایہ حضرت پاؤں بر راہ راستی و حق گذاری و حقیقت شناسی قدم ثابت کرامت فرماید و آن حضرت را بر کل عالم و عالمیاں سایہ گستر و شکستہ پرور و عطا پاش و خطا پوش بہزاران بزرگوں و اقبال و عظمت و جلال درگاہ داراد بعزت پاکاں درگاہ الہی و روشن دلان سحر خیز صبح گاہی آمین آمین“

بعد کے اہل قلم نے بھی ملا صاحب کی تعریف بجا طور پر کی ہے، بہتجا و رخان عالمگیری مرآۃ العظم میں لکھتا ہے،

”ملا عبدالقادر بدایونی جامع معقول و منقول بود و با فضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ

لہ بدایونی جلد سوم صفحہ ۳۰۳

انشائے عربی و فارسی و نجوم و حساب و وقوف و زعمہ و لایقی و ہندی برتہ کمال داشت و
کاوری تخلص بود۔

علم و ہنر کے آسمان کے ایک دوسرے درخشندہ ستارہ خواجہ نظام الدین احمد تھے، خواجہ صاحب دربار
اکبری کے پنخزاری امرا میں تھے جو اس عہد کا معراج دولت تھا، کجرات میں بخشی کے عہدہ پر مامور تھے،
صاحب ثروت و عزت ہونے کے ساتھ صاحب قلم بھی تھے، ۱۰۰۲ھ میں طبقات اکبری لکھی جس نے
ان کو حیات جاودا بخشی، یہ کتاب ہندوستان کی اسلامی عہد کی بہت ہی جامع تاریخ ہے، مصنف
نے اپنے معلومات ان تمام مستند تاریخوں سے حاصل کئے ہیں، جو اس وقت ممکن صورت سے دستیاب
ہو سکتی تھیں، کتاب کے آغاز میں اپنے ماخذوں کے جو نام گنائے ہیں ان کی تعداد تین ہے اسی نے
یہ کتاب ہمیشہ مستند تاریخوں میں شمار کی گئی ہے، ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی تاریخ منتخب التواریخ
اسی کی مدد سے تیار کی، تاریخ سلاطین افغانان کے مصنف نے تو بعض بعض حصے خصوصاً ہمایوں کے حالات
لفظ بہ لفظ اسی سے نقل کر لئے ہیں، فرشتہ نے اس کو ایک مکمل تاریخ بتایا ہے، اور اس سے بہت زیادہ
فائدہ اٹھایا ہے، مآثر الامرا میں ہے،

”وچوں جزری و وقت در تیغ اخبار و سعی تمام بفرام آرد و مواد بکار بردہ و مثل
میر معصوم بھکاری وغیرہ اہل کمال و ساز تالیف آں بودہ اند، اعتبار تمام دار و در آن دل
تاریخ است کہ احوال جمیع اسلام سواد اعظم ہندوستان را در کہ مسافان بسیط غیر چارہ رنگ
روسے زمین گفتہ اند) جامع است و ماخذ صاحب تاریخ فرشتہ بدایونی اور کہ مع شے زائد
نکاشتماند) میں نسخہ مرغوبہ است
منتخب اللباب حصہ اول میں ہے،

”نظام الدین ہروی کہ در جرگہ بخشیان محمد اکبر بادشاہ در آمدہ بود تاریخی مشتمل بر ذکر تعداد
سلاطین بہت و یک سو بہ دکن تالیف نمودہ سہی بتاریخ نظامی ساختہ، دہاں تاسنہ سی
و ہفت ہزار محمد اکبر پر داختہ، اکثر در ذکر سلاطین دکن کلام او محل اعتقاد و انشاید و سوا
قول محمد قاسم فرشتہ بیچ مورخ نے ذکر سلاطین دکن پر داختہ کہ در صحت کلام اعتبار داشتہ باشد
۱۰ تا چوں نظام الدین عمر در رکاب و بندگی محمد اکبر بادشاہ صرف نمودہ قول او در ذکر
سوانح سلطنت عرش آشیانی اعتبار تمام داروۃ

یورپین مورخوں میں یہ کتاب بہت مقبول ہے، ارکن کا خیال ہے کہ اس زمانہ کا بہترین
مورخ نظام الدین تھا، کرنل لیس کو افسوس ہے کہ اس کتاب کو اتنی مقبولیت نہیں ہوئی جتنی کہ
چاہئے تھی، ایٹ لکھا ہے کہ یہ ہندوستان کی بہت ہی مشہور کتاب ہے جو جدید طرز پر لکھی گئی ہے
خواجہ نظام الدین کا جب انتقال ہوا تو ملا عبد القادر بدایونی نے اس طرح اتم کیا جو ان کی
مقبولیت کی دلیل ہے،

او برخت تپ محرقہ در سن چہل و پنج سالگی از عالم بیوفادہ گذشت، و جز نام نیک با خود
نبرد و خیل از اجاب و اصحاب کہ از و جن اخلاق ویدہ امیدوار بہا داشتند، خصوصاً این حقیر
کہ جہت یگانگی دینی و اخلاص مبرا از اغراض دنیاوی با و داشت، اشک حسرت از دیدہ رنجتہ
و سنگ نو میدی بر سینہ زدہ عاقبت جز صبر و شکیبائی کہ شیوہ اصفا و شیمہ اتقا است
چارہ نہ دیدند و این واقعہ را اعظم مصائب و نوائب دانستہ عبرت کل ازاں گرفتہ و بگردم
محبت با افراد انسانی نزد م و زاویہ خمول لازم گرفتہ

بدایونی نے وفات کی تاریخ لکھی،

گوہر بے بہا ز دنیا رفت

ناظرین کی تشنگی باقی رہ جائے گی اگر اس سلسلہ میں ہم میر فتح اللہ شیرازی، مولانا عبد اللہ سلطان اور شیخ عبد الباقی صدر الصدور کا ذکر نہ کریں گے میر فتح اللہ شیرازی، حکمت، ہیئت، ہندسہ، نجوم، حساب، حدیث، تفسیر اور کلام کے ماہر تھے، ان کی قابلیت کے لحاظ سے اکبر نے انہیں عہدہ ملک کی خطاب سرفراز کیا، ان کی تصنیفات، حالات کشمیر، خلاصۃ المنہج، منہج الصادقین، اور زریچہ جدید ہیں ۹۹۷ھ میں وفات پائی، فرشتہ بدو سے وفات کی تاریخ نکلتی ہے،

مولانا عبد اللہ سلطان پوری فقہ اور تاریخ کے زبردست عالم تھے، مخدوم الملک اور شیخ الاسلام کے خطاب سے سرفراز کئے گئے، استرہیہ الانبار اور شامل نبوی ان کی عالمانہ تصنیفات ہیں، شیخ عبد الباقی صدر الصدور نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ جا کر علم حدیث کی تعلیم حاصل کی، وہاں سے آئے تو اکبر نے انہیں صدر الصدور کے عہدہ پر مامور کیا، اکبر کو ان سے جو عقیدت تھی اس کا پتہ براہیوں کے ان الفاظ سے چلتا ہے،

بادشاہ از غایت تعظیم و احترام گاہ گاہ بخت استماع علم حدیث بخانہ شیخ می رفتند و یک مرتبہ کفش پیش پائے او ہم مانند

ان کی ایک تالیف وظائف الہی صلعم کا قلمی نسخہ دار المصنفین (اعظم گڑھ) میں ہے،

ان مندرجہ بالا اہل کمال کے علاوہ بہت سے دیگر علماء و فضلاء تھے جو مختلف قسم کے علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اور دربار اکبری سے مسلسل ملازمت یا اور کسی باعث منسلک رہتے تھے، مثلاً سلطان تھانیسری، خواجہ حسن بروی، امیر میر تقی ثنائی، ملا سید سمرقندی، ملا صادق حلوانی، امیرزا مفلس، حافظ تاشکندی، قاضی جلال الدین ہندی، حاجی ابراہیم سرہندی، ملا شیرازی سیالکوٹی، مولانا شاہ محمد شاہ

لہذا یونی جلد دوم صفحہ ۳۱۵ ایضاً جلد سوم صفحہ ۱۵۵ ایضاً جلد دوم صفحہ ۳۱۵

شیخ عبدالحق دہلوی، قاضی نور اللہ شوہتری، سید شاہ میر سامان، حکیم الملک گیلانی، حکیم ابوالفتح گیلانی وغیرہ۔ یہ فہرست یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی اگر اس کے ساتھ اکبری عہد کے شعراء کے نام بھی گنائے جائیں تو ناظرین صرف نام پڑھتے پڑھتے گھبرا جائیں گے، ملا بدایونی نے اس عہد کے ۱۶۶ شعراء کے حالات لکھے ہیں اور ان کے کلام کے نمونے درج کئے ہیں، جن اکبری شعراء کی فہرست ابوالفضل نے آئین اکبری میں دی ہے وہ ہیں، یہ وہ شعراء ہیں جنہوں نے دربار میں پہنچ کر تقرب حاصل کیا، بات یہ تھی کہ اکبر کی فیاضیاں اور زریچاں شکر ہر جگہ سے شعراء ہندوستان میں امنڈ آئے تھے، اکبر نہ صرف ان پر زور و دولت کی بارش کرتا، بلکہ ان کی ہمت افزائی اور قدردانی کے لئے ملک الشعراء کا خاص عہدہ قائم کیا جس پر سب سے پہلے غوثی شہیدی، پھر فیضی مامور ہوئے، علاوہ غزالی، فیضی، اور خانخاناں کے مندرجہ ذیل شعراء نہایت ممتاز تھے حکیم سنائی، عربی نظیری نیشاپوری، قاسم کاہی، خشکی صابانی، محوی ہمدانی، رفیعی، کاشانی، سنجر کاشانی، زری شہیدی، بابا طالب اصفہانی، سردی اصفہانی، قاسم ارسلان شہیدی وغیرہ،

اکبر کو ہندوؤں کے علوم و فنون سے جو شغف تھا وہ ظاہر ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ہندی شاعری میں طبع آزمائی بھی کرتا تھا، اور رائے تخلص رکھتا تھا، ہندو علماء و فضلاء کی ایک کثیر جماعت دربار کے علم و ادب کے دائرہ میں شامل تھی، ابوالفضل نے "شنا سائے عقلی کلام" اور دانش اندوزان جاوید دولت کے عنوان سے جن ہندو فضلاء کے نام گنائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

ناراین، مادھو بہٹ، سری بہٹ، بشن ناتھ، رام بشن، بلچندر مصر، بادیو مصر، باجن بہٹ، برہمپورس، گوری ناتھ، گوپی ناتھ، کشن پنڈت، بھٹا چارج، بھاگرت بھٹا چارج، کاشی ناتھ بھٹا چارج، مادھو، بھیم ناتھ، نرائن، سیو جی،

کتب خانہ اکبر کے علمی ذوق کے سبب جو کتب خانہ قائم ہوا، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے عدیل تھا، لہذا ان کے حالات منتخب التواریخ، بدایونی، جلد سوم میں ملیں گے، آئین اکبری،

قلعہ آگرہ میں غنیمت بروج کے بغل میں جو بیکراہ ہے، وہیں شاہی کتب خانہ تھا، ہمایوں کے کتب خانہ کی جتنی کتابیں تھیں وہ وراثت میں ملیں، اس کے علاوہ مختلف مقامات اور اشخاص سے وقتاً فوقتاً آتی ہوتی رہیں، اہل علم جو کتابیں لکھتے ان کا ایک نسخہ خزانہ عامہ میں ضرور بھیجتے، اکبر کے درباری مصنفوں کی تصنیفات، تالیفات، اور تراجم خود کثرت سے تھے، ان کے کئی کئی نسخے شاہی کتب خانہ میں رہتے، ہمایوں کے زمانہ میں اعتماد خان گجراتی سے بہت سی نقیص اور نادر کتابیں حاصل ہوئیں، ان میں سے بعض تو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں اور بعض اہل ذوق کو دیدی گئیں،

عابد القادر بدایونی کو اس تقسیم میں انوار المشکوٰۃ کا نسخہ ملا، فیضی کے انتقال کے بعد اس کی تمام کتابیں شاہی کتب خانہ میں منتقل کر دی گئیں، کتابوں کی کل تعداد ۶۰۰ تھی جو اکثر مصنفوں کے ہاتھ سے، ان کے عہد کی لکھی ہوئی تھیں، ان کتابوں کا مجموعہ تین حصوں میں منقسم تھا، پہلے میں نظم، طب، نجوم اور موسیقی کی کتابیں تھیں، دوسرے میں حکمت، تصوف، ہیئت، ہندسہ کی تھیں، تیسرے میں تفسیر، حدیث، اور فقہ کی تھیں،

اکبر خاص طور سے بعض کتابوں کو مصور کراتا تھا، ان میں تصویریں اور تشبہیں بنواتا تھا، مرتبہ تیار کرتا تھا، اور کتابوں کی لوح پر طلاکاری کا کام بنواتا تھا، قصہ امیر حمزہ کی بارہ جلدیں اس کی فرمائش سے مصور کی گئی تھیں، اور اس میں "استادان سحر بردار" نے ۱۱۴ تصویریں بنائیں، اسی طرح چنگیز نامہ، ظفر نامہ، انبال نامہ، رزم نامہ (مہا بھارت)، رامائن، نل دین، کلیلہ دمنہ اور عیار دانش نقش و نگار سے آراستہ ہوئیں،

یہاں پر بے محل نہ ہوگا اگر دربار اکبری کے ان خطاطوں اور خوشنویسوں کا تذکرہ کیا جائے

جنہوں نے شاہی کتب خانہ کی زینت اپنے کمال فن سے بڑھائی اور جن کی قدردانی اکبر نے جاگیر منصب اور خطابات دے کر کی،

(۱) ملا محمد حسین کشمیری نستعلیق کے استاد تھے، اکبر نے ان میں رقم کا خطاب دیا تھا، وہ بعض ان کو جادو رقم لکھتا ہے،

(۲) خواجہ عبدالصمد شیریں رقم، خواجہ نظام الملک وزیر شاہ شجاع شیرازی کے بیٹے تھے، ہمایوں کے دربار میں خوشنویس تھے، نستعلیق کے استاد اور مصور تھے، اپنے فن کی مہارت کے لحاظ سے شیریں رقم کہلاتے تھے، اکبر کے عہد میں چار صدی منصب عطا ہوا، اور فتح پور سیکری کے نکساں کے فہرہ اعلیٰ مقرر ہوئے، خوشنویس کے دانے پر سورہ اخلاص لکھی تھی،

(۳) میر معصوم تہذاری اکبری دور کے مشہور خطاط ہیں، فتح پور سیکری کی اکثر عمارات پر ان کے کتبے کندہ ہیں،

(۴) حسین بن احمد شہسپائی، یہ بھی اس دور کے عربی کے بالکمال خطاط تھے، فتح پور سیکری کے منبہ دروازے کے پیش طاق کی محراب کے اوپر ادبھرے ہوئے حروف میں جو عربی کتبہ ہے وہ انہی کے کمال کا نمونہ ہے،

خط نستعلیق کے دوسرے بالکمال استاد مولانا میر علی ہرادی، مولانا جعفر تبریزی، مولانا علی مولانا محمد ادبھی، مولانا سلطان علی شہدی، میر حسین کلنگی، مولانا عبدالرحیم، میر عبداللہ نظامی وغیرہ تھے، خط تعلیق کے ماہروں میں مولانا عبدالحئی، منشی ابوسعید مرزا، مولانا ابراہیم استر آبادی، منشی محمد جمال الدین قزوینی وغیرہ تھے، اکبر کا میر منشی اشرف خاں اس خط کے لکھنے میں یدِ طولی رکھتا تھا،

ان خوشنویسوں کے علاوہ بہت سے ایسے خطاط تھے جو دوسرے رسم الخط مثلاً ثلث، قویع،

حقائق، فتح، ریحان، رقاع، اور اخبار کے لکھنے میں بہت مشاق تھے، دو کتب آئین اکبری (۱۵۶۵ء) و دیوان اکبری (۱۵۶۵ء) کے لئے متعدد مدارس قائم کئے، اگرچہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں تعلیم و تعلم کے لئے چلی بیگ نام ایک عالم کو شیراز سے بلایا، (اکبر نامہ دفتر اول) فقیر پوری میں پہاڑی کے اوپر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا جس کے مقابلہ میں کوئی سیاح کسی دوسرے مدرسہ کا نام نہیں بتا سکتا تھا، ان تعلیم گاہوں کے علاوہ بہت سے ایسے مدارس تھے جن کو امرا اور اشراف نے قائم کئے (مثلاً قائم بیگم کا مدرسہ دہلی میں جو خیر المنازل کے نام سے موسوم تھا، ابوالفضل کا مدرسہ جو فتح پور سیکری میں واقع تھا، پھر عبدالرحیم خاناناں کے مختلف مدارس) ان کے ماسوا بہت سے معلمین اور علماء اپنے مقامات پر علوم و فنون کی ترقی اور افراد قوم کی تعلیم و تربیت میں مصروف تھے، اور ان کی اعانت شاہی دربار سے برابر ہوتی رہتی تھی، تاریخ بدایونی میں ان مدرسین کی تفصیل درج ہے، ہم طوالت کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں،

مگر جو چیز اس سلسلہ میں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اکبر نے بچوں کی تعلیم کے لئے بعض ایسے طریقے ایجاد کئے تھے جو آج ابتدائی تعلیم کے جدید طریقوں کے بالکل مشابہ تھے، فارسی حروف بچوں کے ذہن نشین کرنا آسان نہیں، خصوصاً ہندو بچوں کے لئے اور دشواریاں تھیں، کیونکہ ان کی تمام تحریریں بائیں سے دائیں جانب لکھی جاتی تھیں، چنانچہ حرف آموزی کے طریقہ کو سہل بنانے کے لئے اکبر نے ہدایت دی کہ اولاً استاد بچوں کو مفرد حروف پہنچوائے، پھر اعراب اور مرکب حروف پھر جھونے چھونے جملے، اس کے بعد اشعار اور طویل عبارت، یہ طریقہ تعلیم کامیاب ثابت ہوا اور لڑکے جو برسوں میں سیکتے وہ چند مہینوں میں حاصل کر لیتے، آئین اکبری کی عبارت ہے:-

و بعد از مدتی عداوند حروب اہل بیت (اب ت ث) را بر نویند و دیگر گون پیکر را

۱۵ آئین اکبری، ذکر دارالخلافہ صوبہ آگرہ

ہر انسان نگارندہ نخست بصورت و نام آشنا گردند و دور و زبیر پیش کشند کہ از نفوس حروف پیوستہ آگاہی برگیرد، و چون ہفتہ بدیں دریافت تنو مندی یا بد و نختی نظم و نثر آشنای رود، نیایش ایزدی و اندرز گزاری عبدالحکام ششمہ و آموزند، و کوشش رود کہ ہر یک خود نیشہ و اندکے استاد دستگیری کند و چندے ہر روز یک مصرع ایک بیت باہتمام رساند، در کمتر زمانہ سواد خوانی روشنی پذیرد، و آموزگار ہر روز از پنج چیز آگاہی بر جوید شناسائی حروف الفبا، مصرع بیت پیشین خواندہ بدیں روش پنجہ سالہ آموختی باہ بلہ روز کشید و جہانی بختی در آمد

ابوالفضل نے ان مختلف علوم و فنون کی فہرست بھی دی ہے، جو اس زمانہ میں پڑھائے جاتے تھے اور وہ حسب ذیل ہیں، اخلاق، حساب، سیاق، فلاحات، مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر، سیاست، مدن، طب، منطق، طبیعی، ریاضی، التی، تاریخ، بیا کرن، ہدایت، پانچل، یہ گویا اعلیٰ تعلیم کا نصاب تھا،

۱۵ آئین اکبری ص ۱۲، ۱۶ آئین اکبری ص ۱۲

ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں

یہ مولوی ابوالحسنات مرحوم کا وہ پراثر معلومات مقالہ ہے، جو علامہ سید سلیمان ندوی کی خواہش سے لکھا گیا تھا اور معارف ۱۹۵۹ء کے مختلف نمبروں میں سلسل شائع ہوا تھا، اور جب کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا تھا، اور ان کی تجویز تھی کہ یہ ایک کتاب کی صورت میں یکجا ہو جائے، چنانچہ ایک پبلشر نے اس کو اسی زمانہ میں چھاپا، تو پوری کتاب منہ بھگئی اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مسلمانوں کے گزشتہ شاندار تعلیمی کارنامے نظر کے سامنے آجاتے ہیں، ضخامت ۱۲۴ صفحات، قیمت ۱۲/-

"میں خبر"

کتبخانہ دفتر دیوانی حیدرآباد دکن

انجناب محمد غوث صاحب ایم اے عثمانیہ حیدرآباد دکن

حیدرآباد کے سرکاری اداروں میں سے دفتر دیوانی نے ایک خاص اہمیت حاصل کر لی ہے۔ یوں تو عطاے معاش اور جاگیر کے ایک تصدین کتبخانہ دفتر کی حیثیت میں ایک عرصہ سے یہ دفتر قائم تھا، لیکن گزشتہ پندرہ سال سے یہ حقیقت واضح ہونے لگی ہے کہ نہ صرف تاریخ نگاری، آصفیہ بلکہ خود زمانہ مغلیہ کی عام ہندوستانی تاریخ کے بہت سارے تاریک پہلوؤں پر اہلی سرکاری کاغذات سے روشنی ڈالنے کے لئے دفتر دیوانی کے مخزنہ ذخائر کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ اعلیٰ حضرت ہندگان عالی قواب میر عثمان علی خاں دام ظلہ العالی کے ترقی پروردوں میں جہاں اور دوسرے سرکاری سرشتے ترقی اور تجدد کے مراتب علی السلسل طے کرنے لگے وہاں دفتر دیوانی کا قالب بھی نیا ہو گیا،

سرکار عالی کا یہ عندیہ ہے کہ سارے قدیم دفاتر، دفتر دیوانی میں ضم کر دیئے جائیں، چنانچہ دفاتر مال، ملکی، استیفاء، مناصب، خطابات اور مواہیر ایک جا ہو چکے ہیں، ان دفاتر کی یکجائی کے بعد جب ان کو عصری نقطہ ہائے نظر سے مہذب اور مرتب کرنے کی نوبت آئی تو یہ امر صاف طور سے محسوس ہونے لگا کہ ان دفاتر قدیم کے کاغذات کے تاریخی پہلو کو نمایاں کرنے، ان کاغذات کو مسلک تاریخی معیار پر جانچنے، اور ان کو تاریخی نقطہ نظر سے ترتیب دینے میں ایک کتب خانہ کی ضرورت ناگزیر ہے، اس نقطہ نظر سے تقریباً چھ سال ہوئے کہ کتب خانہ دفتر دیوانی کی بنیاد رکھی گئی، اس قلیل

عرصہ میں جو ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے وہ ہر ادارہ کے لئے امتیاز کا موجب ہو سکتا ہے، ان مستند اور تاریخی لحاظ سے بہت ہی اہم کتابوں کی فراہمی کی وجہ سے یہ علمی جواہر پارے تلف ہو جانے سے نہ صرف محفوظ ہو گئے بلکہ ان سے باغراض علمی ہر طرح کا استفادہ ہر صاحب ذوق کے لئے بالکل آسان ہو گیا،

دفتر دیوانی کا کتب خانہ اپنے نہایت وسیع معنی میں کوئی ایسا عام کتب خانہ نہیں ہے جہاں ہر علم و فن کی کتابیں جمع کی جاتی ہوں، یہاں صرف ایسی کتابیں فراہم ہو رہی ہیں جن سے کسی ہندوستانی تاریخی بحث پر قابل استناد معلومات حاصل ہو سکیں، جو کتابیں جمع کی جاتی ہیں ان کی نوعیت پانچ قسموں پر مشتمل ہے،

۱۔ وہ کتابیں جو تاریخ دکن اور تاریخ ہند سے متعلق ہوں،

۲۔ حوالہ کی کتابیں،

۳۔ ایسی کتابیں جو قدیم کاغذات اور کتابوں کی اصلاح اور درستگی، تہذیب، ترتیب اور تبویب کے فن سے متعلق ہوں،

۴۔ قوانین اور ضوابط سرکار آصفیہ،

۵۔ مطبوعات سرکاری،

ان میں سے ہر ایک کے متعلق قدرے توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے،

۱۔ تاریخ کی کتابیں،

تاریخ کا لفظ اپنے نہایت وسیع معنی میں استعمال کیا گیا ہے، سوانح اور تذکرہ کے علاوہ بسا اوقات سفر نامے نیز انشا و مکاتیب اور بعض ادب کی کتابیں بھی اس لحاظ سے کہ تاریخ کا اصلی اور کارآمد مواد غیر تاریخ کی کتابوں سے فراہم ہوتا ہے، اس ذیل میں آجاتی ہیں، اسی طرح

جغرافیہ کی کتابیں بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔

دفتر دیوانی میں تاریخ کی کتابیں بالعموم صرف ہندوستان ہی کے متعلق فراہم کی گئی ہیں، لیکن ہندوستان سے باہر کے بعض ممالک کی بعض کتب تاریخ کو بھی حاصل کیا گیا ہے۔

کیونکہ اس تاریخی حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ تاریخ ہندوستان کے اسلامی عہد میں جو علمی سوسائٹی ہندوستان اور دکن میں نشوونما پا رہی تھی، اس کا اصلی سرچشمہ ہندوستان سے باہر وسط ایشیا اور ایران میں واقع تھا اور نیز ہندوستان و دکن کی معاشرت میں جو تبدیلی ہو رہی تھی اور جو سیاسی انقلاب واقع ہو چکا تھا اس کی بھی ہندوستان کے باہر کے واقعات بہت گہرا اثر ڈال رہے تھے، قطب شاہی اور عادل شاہی وغیرہ زمانہ کی تاریخ کے اکثر پہلو، خواہ وہ نہ ہی ہوں یا علمی معاشرتی ہوں یا سیاسی ہندوستان سے باہر کی تاریخ سے مربوط ہیں۔ علاوہ ازیں خود شاہانِ اصفیہ کے اجداد کا مولد و منشا بھی وسط ایشیا ہی ہے، اس نامور سلسلہ کے حالات کا علم بعض وقت ایسی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے، جن کو ہندوستان سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ہوتا، حضرت آصف جاہ اول کے بعض اہم حالات ایران کی معاشرانہ تاریخ کی کتابوں میں زیادہ وثوق اور بلا کسی خاص مخالفت یا موافق نقطہ نظر کے معلوم ہو سکتے ہیں، ان وجوہ کے لحاظ سے بعض اہم اور مستند کتابیں، جن کا موضوع ہندوستان سے باہر کے حالات اور واقعات ہوں، کتب خانہ میں مہیا کی گئی ہیں۔

اسی طرح مشرق میں بادشاہ کی ذات واقعات تاریخی کا محور ہوتی تھی، وہی تاریخ بناتی اور بگاڑتی تھی، اس لئے ادب و انشا کی کوئی کتاب جس سے بادشاہ کی شخصیت اور اس کے خصائص رعادات اور مبلغ علم کا کافی طور سے اندازہ ہو سکے فراہم کی گئی ہیں۔

۲۔ حوالہ کی کتابیں،

دفتر دیوانی کے کام کی جو نوعیت ہے، اس کے مد نظر حوالہ کی قابل استناد کتابوں سے کوئی مفر نہیں ہو سکتا، بنا بریں فارسی الفاظ اور اصطلاحات کو معین کرنے میں جو قابل وثوق کتابیں کارآمد ہو سکتی ہیں، ان کو حاصل کر لیا گیا ہے، اس سلسلہ میں جس نوعیت کی کتابیں جمع کی گئی ہیں وہ یہ ہیں،

(الف) عربی لغات کی بعض عام متداول اور قابل سند کتابیں جن سے فارسی زبان میں رائج شدہ عربی الفاظ اور اصطلاحات کے سمجھنے میں سہولت ہو،

(ب) ایسی کتابیں جن سے فارسی الفاظ و اصطلاحات کے انگریزی مترادفات معلوم ہو سکیں،

(ج) قانون اور نظم و نسق کے اصطلاحات کی کتابیں،

(د) السنہ ملکی کے مصطلحات کی کتابیں،

(ه) مشہور کتب خانوں کی فہرستیں،

(و) جہتیاں،

(ز) مشاہیر کے متعلق سوانحی حوالہ کی کتابیں،

(ح) فنی کتابیں،

اس ضمن میں فہرست نگاری، کتب خانہ کی ترتیب، کاغذات کی اصلاح و درستی کے

متعلق چند منتخب کتابیں موجود ہیں،

۴۔ قوانین و ضوابط سرکار عالی،

دفتر میں حالیہ اور قدیم قوانین و قواعد سرکار عالی کے تحت جو کارروائیاں دائر ہوتی ہیں ان کے سلسلہ میں جن قوانین و قواعد کی بالعموم ضرورت داعی ہوتی ہے، وہ بھی جمع کر لی گئی ہیں۔

۵۔ مطلوبہات سرکاری،

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ دفاتر و محاکم سرکاری کی جانب سے جو مطبوعات شائع ہوتی ہیں وہ اپنی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد سلطنت کی تاریخ کا بہت اہم اور قابل وثوق ماخذ قرار پاتی ہیں اس لحاظ سے سرکاری مطبوعات کی فراہمی میں بطور خاص کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ ماخذ قدیم مطبوعات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے،

اس موقع پر اس واقعہ کا اظہار بے محل نہیں کہ خود دفاتر متعلقہ میں دس پانچ سال قبل کی مطبوعات کا کوئی زائد نسخہ بہ مشکل ہی دستیاب ہوتا ہے، کتب خانہ آصفیہ وغیرہ کے ذخیرہ میں بھی تمام سرکاری مطبوعات موجود نہیں ہیں، حیدرآباد آفیس اور "حیدرآباد انڈسٹریل لارجنٹ" جیسی کارآمد کتابیں اب نایاب اور فی الجملہ ناپید ہو چکی ہیں،

اس امر کا اظہار نامناسب نہیں کہ مالک محروسہ سرکاری کے سارے مطبوعات کو کسی کتب خانہ میں بغرض تحفظ جمع کرنے کا کوئی انتظام اب تک نہیں کیا گیا ہے، نیز ایسی کتابیں جو سرکاری ادارہ کرم کی امداد و سرپرستی سے بیرون مالک محروسہ سرکاری طبع یا شائع ہوئی ہیں، یا جو شاہان آصفیہ کے اسم گرامی پر معنون ہوں کسی نہ کسی جگہ بغرض تحفظ خزانوں رہنا باغراض علمی و تاریخی بہت ضروری ہے، دفترو دیوانی اس نوعیت کا ذخیرہ فراہم کرنے میں غالباً عمارت کی تنگی کی وجہ سے مجبور ہے،

کتب خانہ زیر تذکرہ میں جو کتابیں میا کی گئی ہیں وہ مخطوطات اور مطبوعات دونوں پر مشتمل ہیں،

مخطوطات فراہم کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہر طب و یا بس کتاب حاصل کر لی جائے جو مخطوطات خریدے گئے ہیں، ان کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ایسے ہیں جو

۲۔ تاحال طبع نہیں ہوئی ہیں،

۳۔ خود مولف نے کتاب کی تہذیب کی ہے،

۴۔ خود مولف نے کتاب کی تصحیح کی ہے،

۵۔ کتاب پر مشاہیر کے ہر یاد دستخط ہیں،

کسی کتاب کے ایک سے زیادہ نسخے فراہم کئے گئے ہیں تو وہ بھی اس اطمینان کے بعد کہ

ان میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ایسی ہے کہ جو طلبہ اور ارباب علم کے لئے کارآمد ہو سکیگی،

بعض مطبوعہ کتابوں کے بھی مخطوطات فراہم ہو گئے ہیں، لیکن بالعموم اس صورت

میں کہ مطبوعہ نسخہ کی فراہمی بوجہ امتداد زمانہ مشکل ہو یا مطبوعہ نسخہ کے مقابل مخطوطہ نسخہ میں

مطالب کا اضافہ ہو،

کتب خانہ کا جو اصلی مقصد ہے وہ صرف مخطوطات کے فراہم کرنے سے پورا نہیں

ہو سکتا، آج سے نصف صدی قبل ہندوستان اور یورپ میں تاریخ ہند کے موضوع پر جو

کتابیں طبع اور شائع ہوئی ہیں، ان کا حاصل ہونا اب بہت کچھ وقت طلب ہو گیا ہے اس

قسم کی کتابوں کا حصول اب خود کسی اہم مخطوطہ کے حصول سے کم مشکل نہیں ہے، کتب خانہ

میں اس نوعیت کی کتابوں کی فراہمی کے لئے بھی خاص کوشش عمل میں آئی ہے، مختلف علمی اداروں

کی جانب سے تصحیح و تفسیر کے بعد جو خاص کتابیں شائع ہوتی ہیں ان کو فراہم کیا گیا ہے تاکہ

دفتر میں جو ارباب علم اور طلبہ تاریخ تحت قواعد منظورہ سرکاری تحقیق و تالیف کی غرض

سے فراہمی مواد کی خاطر جو جمع کریں، ان کو کاغذات سے استفادہ کرنے میں کسی طرح وقت بیکار

کتب خانہ دو حصوں پر مشتمل ہے، مشرقی اور مغربی،

مشرقی حصہ عربی، فارسی، اردو اور مرہٹی السنہ کی کتابوں پر مشتمل ہے، اور مغربی

حصہ فی الحال خالص انگریزی زبان کی کتابوں پر،
مخطوطات کی فراہمی تین طرح سے ہوتی ہے،

۱۔ وہ جو براہ راست خریدی جاتی ہیں،

۲۔ وہ جو دفتر میں نقل کرائی جاتی ہیں،

۳۔ وہ جو بیرون دفتر نقل کرائی جاتی ہیں،

واضح ہو کہ فراہمی کتب کے سلسلہ کا آغاز ہوا، تو یہ تجربہ ہوا کہ اکثر اہم کتابوں کو
ان کے مالک فروخت کرنا نہیں چاہتے، اس لئے بعض ایسی کتابیں مستعار حاصل کر کے خود دفتر
میں نقل کرائی جاتی ہیں، بعض وقت بیرون دفتر بھی نقل و کتابت کا انتظام عمل میں لانا
پڑا ہے، اس سے ارباب خاندان دیوان صاحب کی معرفت بہت سی کتابیں نقل
ہو کر آئی ہیں،

کتب خانہ میں مخطوطات کی جملہ تعداد (۴۲۸) ہے ان کی زبان واری تقسیم یہ ہے،

فارسی، ۳۸۹

ہندوستانی، ۲۶

عربی، ۱۳

بہ لحاظ فنون مخطوطات کی تفصیل حسب ذیل ہے،

تاریخ، ۱۴۷

تذکرہ، ۳۶

سوانح، ۱۴

جغرافیہ، ۱۰

سفرنامہ، ۳

ادبیات (نظم)، ۱۲

ادبیات (نثر)، ۲۳

انشا و مکاتیب و سیاق، ۱۰۹

نعت، ۱۸

بعض مخطوطات کے متعلق مختصر توضیح نامناسب نہ ہوگی،

۱۔ نورس جگت گرو ابراہیم عا دشاہ ثانی (۱۰۳۸ھ تا ۱۰۵۸ھ) کی تالیف
۱۶۲۸ء

ہے، اس کتاب کا مقدمہ سے نثر ظہوری میں نورس کے نام سے شامل ہے، اور رنگین نگاری
کا گویا ایک شہ کار،

نورس ابراہیم عا دشاہ کی بعض ہندی نظموں کا مجموعہ ہے،

کتب خانہ کا یہ نسخہ کئی وجوہ سے بہت قابل امتیاز ہے،

۱۔ خط نہایت پاکیزہ ہے اس لحاظ سے اس نسخہ کو خطاطی کا ایک دلکش نمونہ کہنا

بالکل بجا ہے،

۲۔ ایک شاہی کاتب عبد اللطیف مصطفیٰ نے بخط نسخ پورا نسخہ لکھا ہے،

۳۔ طلائی نقش و نگار ہر صفحہ پر موجود ہے،

۴۔ یہ نسخہ خود عادل شاہی کتب خانہ کا ہے،

۵۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نسخہ پر خود عادل شاہ کے دستخط ہیں،

ترقیمہ میں کتابت کا کوئی سنہ موجود نہیں ہے، لیکن شاہی کتاب خانہ میں داخلہ

۱۰۲۲ھ میں واقع ہوا ہے،
۱۶۱۳ء

۲۔ کلیات شاہی

علی عادی شاہ ثانی (۱۰۶۴ھ تا ۱۰۸۳ھ) نے دکنی زبان میں شعر کہنے کی خاص مشق بہم پہنچائی تھی۔

”شاہی“ تخلص اختیار کیا تھا، یہ کلیات شاہی کے کلام کا مجموعہ ہے، ہر خندہ نمونہ کے اقسام پر لکھا کوئی سہ سہ نہیں لکھا ہے اور نہ ناقل نے اپنا نام لکھا ہے، لیکن خط اور کاغذ دونوں سے یہ بات ثابت ہو کر یہ نسخہ زمانہ تالیف سے قریب تر زمانہ میں ہی لکھا گیا ہے، کتاب کا ہر صفحہ مطلقاً ہے اور بخط نسخ لکھا گیا ہے۔

۳۔ فتح المجاہدین، مؤلف کا نام زین العابدین شوستری ہے، مولف نے اس کتاب میں وہ سب فوجی قواعد جمع کئے ہیں جو میسور میں بہ زمانہ ٹیپو سلطان نافذ تھے، کتاب کا یہ نسخہ اس وقت سے بہت قابل قدر ہے کہ اس پر خود ٹیپو سلطان کی تحریر موجود ہے۔

۴۔ انفع الاخبار

یہ کتاب محمد امین الحسینی کی تالیف ہے، اکبر کے سلسلہ جلوس ۱۰۳۳ھ میں وہ ولایت سے ہندوستان آئے اور سپردار خاں مرزا محمد صالح بٹرنزی سے توسل پیدا کیا، سپردار خاں زمانہ جہانگیری میں احمد نگر کے صوبہ دار تھے، کتاب کا موضوع مالک مشرق اور ہندوستان بزرگانہ مغلیہ کی عام تاریخ ہے، اور وہ ہندوستان کے بعد سے زمانہ تالیف (۱۰۳۶ھ) تک کے حالات ذاتی علم سے لکھے ہیں۔

کتب خانہ کا یہ نسخہ خود مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، کتاب کی تالیف ۱۰۳۶ھ کے اواخر میں ختم ہوئی ہے، اور یہ نسخہ ۱۰۳۶ھ کو لکھا گیا ہے، ترقیمہ کی عبارت حسب ذیل ہے،

”فوغ من تسوید هذه الاوراق فی تاسع المحرم الحرام سنہ ۱۰۳۶ھ، کتبہ العبد الاقل محمد امین الحسینی“

معلوم ہوتا ہے کہ مولف نے کتاب کا یہ نسخہ اپنے مربی مرزا محمد صالح کے نزدیکیا کتاب کے آخر

سے اس کتاب پر خباب نصیر الدین صاحب ہاشمی کا ایک مضمون معائنہ کے کسی گذشتہ پرچم میں شائع ہو چکا ہے۔

پر دستخط ہیں ان میں ایک صالح محمد خاں کا بھی ہے

کتاب کا ابتدائی حصہ موجود نہیں ہے البتہ خاندان تیموری کا پورا حال اس حصہ میں محفوظ ہے۔

۵۔ تاریخ مظفری، یہ کتاب ہندوستان کے زمانہ شاہان مغلیہ کی سال واری ساوہ تھا تاریخ ہے، مولف کا نام محمد علی خاں انصاری ہے اور والد کا نام ہدایت اللہ خاں عزت الدولہ لطف اللہ خاں بہادر، شاہ عالم ثانی کے عہد میں پنج ہزاری ذات کے منصب سے سرفراز تھے، خود مولف داروغگی عدالت فوجداری ترہٹ اور حاجی پور پر مامور تھے،

کتاب امیر تیمور کے زمانہ سے شروع ہوئی اور ۱۲۲۵ھ تک اکبر شاہ ثانی کے زمانہ پر ختم ہو جاتی ہے، کتاب کا زمانہ تالیف ۱۲۰۲ھ ہے، واقعات مابعد کا اضافہ بعد میں ہوا ہے،

گبن صاحب نے اپنی کتاب فال آت دی نعل اسپا کر (FALL OF THE MUGHAL EMPIRE) تاریخ مظفری ہی کو اصل ماخذ قرار دے کر مرتب کی ہے، ہر ہنری ایلٹ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی عام تاریخ پر جو صحیح ترکہ میں لکھی گئی ہیں، ان میں یہ کتاب بھی شامل ہے (تاریخ ہند صفحہ ۳۱۶ جلد ۸) کتب خانہ میں کتاب کا جو حصہ مخزون ہے وہ خود مولف کا صحیح ہے، ۱۲۱۸ھ میں یہ تصحیح عمل میں آئی ہے، اور یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد محمد شاہ کے سال سوم جلوس ۱۱۳۲ھ سے شروع ہو کر زمانہ عالمگیری ثانی (۱۱۶۳ھ) پر ختم ہوتی ہے، دوسری جلد زمانہ شاہ عالم ثانی (۱۱۶۳ھ) سے شروع ہوتی ہے اور اس زمانہ تک مشتمل ہے جب کہ دارن ہسٹنگز کو گورجنرل بنا کر ہندوستان روانہ کیا گیا تھا،

۶۔ جنگ نامہ

نامہ، خلد مکان اور گزیب کے انتقال پر جو جنگ برادران واقع ہوئی اس کے حالات اس میں، نعمت خاں عالی کے ہاتھوں ترتیب دیئے ہوئے ہیں، کتاب کا یہ نسخہ بہادر شاہ کے شخصی خاص شکر نامہ نے سلسلہ جلوس بہادر شاہ (۱۱۱۶ھ) میں بخط شکستہ و صلیوں پر لکھا ہے، اور

شکستہ خط کو خطاطی کا ایک بہت بہتر نمونہ بنانے کی پوری کوشش کی ہے۔

۸۔ **سفینۃ الاولیاء** - شہزادہ داراشکوہ نے یہ کتاب تالیف کی ہے، یہ نسخہ خود شاہزادہ کی زندگی میں خود انہی کے حکم سے ملا شہباز دہلوی نے ۱۰۶۳ھ میں خوشخط نستعلیق میں لکھا ہے۔

۹۔ **صدیقۃ السلاطین** - مرزا محمد نظام الدین شیرازی کی تالیف ہے، سلطان محمد قطب شاہ کے حالات قلم بند کئے ہیں، کتاب اس زمانہ کی تالیف ہے۔

کتب خانہ کا یہ نسخہ ہلکے نیلے مہین کاغذ پر طلائی جدول کے اندر بہت خوش خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے، صفحہ اول کا عنوان ایرانی نقش نگاری کا بہت خوبصورت نمونہ ہے، کتاب کے صفحہ اول پر حسب ذیل ہے،

”محمد ناصر فدوی بادشاہ غازی شاہ عالم ۱۱۱۹ھ“

ایک اور عبارت حسب ذیل درج ہے،

”داخلہ روزنامہ کتاب خانہ سرکار مرزا محمد ناصر سلمہ اللہ تعالیٰ الی یوم الآخر تحویل تھو لیا“

اندرون محل بتاریخ ۲۱ محرم الحرام ۱۱۲۰ھ

یہ نسخہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے سترہویں سال جلوس ۱۰۵۱ھ پر ختم ہو گیا ہے۔

اس کتاب کا کچھ حصہ مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی نے مرتب کر کے طبع اور شائع کیا ہے۔

۱۰۔ **زبدۃ التواریخ** - جمال الدین ابوالقاسم عبداللہ القاشانی کی تالیف ہے،

کتب خانہ میں کتاب کا جو حصہ مخزون ہے اس کا موضوع تاریخ مالک مشرق قبل از اسلام ہے۔ اس نسخہ پر سید مظفر مرخیل کی تہریت ہے، جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے مدارالمہام تھے، کتاب

میں کاغذ پر خوش خط نسخ میں لکھی گئی ہے،

۱۱۔ **تزک جہانگیری** - شہنشاہ جہانگیر کی خود نوشتہ سوانح حیات کا یہ خوشخط نسخہ ہے

جو طلائی جدول میں لکھا گیا ہے، صفحہ اول کا عنوان منقش ہے،

نسخہ کے ٹائٹل پر مختلف عبارتیں مرقوم ہیں اور کئی تہریں ثبت ہیں، پہلی عبارت حسب ذیل ہے،

”الند اکبر بتاریخ ۲۰ ماہ ۱ مرداد ۱۰۲۲ھ بانعام سیف خاں جہانگیر شاہی مرحمت شد“

ماثر الامرا میں سیف خاں کے خطاب سے دو اصحاب کا تذکرہ کیا گیا ہے، ایک وہ جو حصار کے

فرجدار تھے، ان کو جہانگیر کے پاس خود زمانہ شاہزادگی میں ہی تقرب حاصل تھا، لیکن انہوں نے

۱۰۲۵ھ میں انتقال کیا ہے اور ۲۲۰ھ جلوس جہانگیر مطابق ۱۰۳۶ھ سے ۱۰۳۷ھ سے اس لحاظ سے

عبارت صدر میں جن سیف خاں کا ذکر آیا ہے، ان کی شخصیت کا علیحدہ ہونا لامحالہ ضروری ہے،

دوسرے سیف خاں بھی خود زمانہ جہانگیر میں گجرات کے صوبہ دار تھے، سیف خاں کے خطاب

سے ان کو خود جہانگیر نے مخاطب کیا تھا، زمانہ شاہ جہاں میں بہار کے بعد ازاں آباد پھر گجرات

اور آخر میں اکبر آباد کی صوبہ داری کا منصب حاصل کیا تھا، ۱۰۴۹ھ میں انہوں نے انتقال کیا،

غرض عبارت مرقومہ کتاب میں سیف خاں کا جو نام درج ہے وہ غالباً یہی سیف خاں ہیں

عبارت کا سیاق و سباق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ خود بادشاہ نے سیف خاں کو یہ کتاب رحمت کی

دوسری اور جو عبارتیں کتاب پر مرقوم ہیں وہ یہ ہیں: ۱۔ بتاریخ ہشتم ماہ اردی بہشت عرض دید شد

۲۔ عبارت مذکور شدہ، (۴) الند اکبر بتاریخ غوہ شہر ذیقعدہ سنہ یازدہ جلوس مبارک عرض دیدہ شد،

ان عبارتوں میں غالباً سنہ جلوس سے مراد سنہ جلوس شاہ جہاں ہے،

”عرض دیدہ شدہ“ سے مراد ”جائزہ لیا گیا“ ہے،

کتاب پر جو تہریں ثبت ہیں وہ یہ ہیں،

۱۔ سیف خان بندہ شاہجہان بادشاہ غازی ۱۰۳۹ھ

یہ سیف خان غالباً وہی ہیں جن کو غالباً کتاب مرحمت ہوئی،

۲۔ "ابوالقاسم اسد خاں مرید شاہجہاں"

ماثر الامرا میں اسد خاں معوری کا جو تذکرہ ہے وہ غالباً یہی ہیں، ابتداً زمانہ جہانگیر میں یہ صاحب قندھار کی بخشی گری پر مامور تھے پھر گجرات میں اس عہدہ پر مامور ہوئے بعض اور بھی عہدوں پر کام کیا ہے۔ ۱۰۳۱ھ - ۱۰۳۳ھ میں جلوس شاہجہاں میں انتقال کیا،

۳۔ زلف شہ شاہ نور الدین جہانگیر قضا فرمان خطاب بندہ شد۔۔۔۔۔ انقل خاں ۱۰۳۲ھ

مغیر زمانہ کے امرا میں افضل خاں کا خطاب زمانہ جہانگیر میں دو اصحاب کو عطا ہوا تھا، ایک تو ابوالفضل کے فرزند شیخ عبدالرحمن کو اور دوسرے شاہجہانی زمانہ کے وزیر اعظم یا دیوان کل ملا شکر اللہ شیرازی کو افضل خاں شیخ عبدالرحمن کا انتقال جہانگیر کی تخت نشینی کے آٹھویں سال ۱۰۲۶ھ میں ہو گیا، تو زک جہانگیری میں جہانگیر کے ۱۰ویں سال جلوس تک کے واقعات قلم بند کئے گئے ہیں اس صورت میں ظاہر ہے کہ افضل خاں شیخ عبدالرحمن کو اس کتاب پر کوئی ملکیت حاصل نہیں ہو سکتی لاجلہ صاحب ہوا افضل خاں ملا شکر اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا،

اس کا ثبوت یوں بھی حاصل ہوتا ہے کہ ملا شکر اللہ کی خطاب یا بی کا سہہ بہ لحاظ ۱۰۳۲ھ ہے، ماثر الامرا میں لکھا ہے کہ ہم رانا میں جو خدمات پسندیدہ وقوع میں آئے اس کی وجہ سے ملا شکر کو افضل خاں کا خطاب بارگاہ جہانگیری سے مرحمت ہوا،

رانا سے چور کی نعم ۱۰۲۲ھ مطابق سہہ جلوس جہانگیری میں سر کی گئی تھی اور شاہزادہ خرم (شاہجہاں) کو اس نعم پر مامور کیا گیا تھا، اس موقع میں ملا شکر اللہ شاہزادہ کے منشی اور مہتمم ہوا تھا ملا شکر اللہ شیرازی نے دارالعلم شیراز میں دانش اندوزی کی اور بعد ازاں درس و تدریس کا شغل جاری رکھا، پھر ہندوستان چلے آئے، برہان پور میں اقامت اختیار کی تا آنکہ شاہجہاں شاہزادہ شاہزادگی تو سب حاصل ہو گیا، میر جلال شکر شاہزادہ قرار پاے، ۱۰۳۵ھ میں "دیوانی کل پر مامور ہوئے"

"شد فلاطوں وزیر اسکندر مصر متاریخ ہے، ۱۰ سال کی عمر میں ۱۰۳۵ھ میں انتقال ہوا، زخوبی بردگوئے نیک نامی سے سال انتقال برآمد ہوتا ہے،

۱۲۔ تاج المآثر ہندوستان کے زمانہ خاندان غلاماں کی تاریخ، نظام الدین خن نظامی مرتدی کی تالیف ہے، کتاب کا یہ نسخہ ۱۰۶۱ھ میں نہایت ہلکے بادامی کماغذ پربنط صحت لکھا گیا ہے، ۱۰۶۱-۱۰۶۲ھ

۱۳۔ منظر الانسان - ترجمہ وفيات الاعيان، اس کتاب کو یوسف بن احمد السنجرى نے ابن خلکان کی کتاب وفيات الاعيان سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے،

سلطان ناصر الدین ابوالفتح محمود شاہ بن محمد شاہ گجراتی (۵۶۳ھ تا ۵۹۱ھ) کے حکم سے ترجمہ کا آغاز ہوا، سلطان نے ۵۸۹ھ میں حکم صادر کیا، ۵۸۹ھ میں کام کا آغاز ہوا، اور ۵۹۲ھ میں ترجمہ مکمل ہو کر بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوا، ۲۵ دوسری کتابوں سے اس ترجمہ میں مطاب کا اضافہ کیا گیا ہے، ۵۹۵ھ میں نظر ثانی ختم کی گئی،

کتب خانہ کا یہ نسخہ ۱۰۳۱ھ کا مکتوبہ ہے اور کاتب کا نام علی بن حسن الالہی ہے،

۱۴۔ وسمہ بدیسی صوفیات و کن، یہ زمانہ عالمگیر کے مواضعات دکن کی فرست ہوا، پوری تفصیل سے ہر موضوع کی تفصیل کی ہے، ہر موضوع کے "جمع کامل" (ذرا مال گذاری) کی وضاحت بھی کی ہے، فرست کا یہ نسخہ خود شاہی دفتر کا مرتبہ اور مکتوبہ ہے،

۱۵۔ مجمع الغرائب، موصوف کا نام محمد ہارون عبدالسلام سلامی الحنفی ہے، کتاب کا موضوع مختلف عجائب دنیا کے حالات ہیں، ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ کی تالیف ہے، یہ نسخہ خود مؤلف کا لکھا ہوا ہے، ۱۰۲۶ھ سال کتابت ہے نسخہ مطلقاً اور خوش خط ہے، کتب خانہ کے مخطوطات کی ایک فن وار بدولی فرست مرتب ہو چکی ہے،

کتب خانہ میں ہندوستانی زبان کے مخطوطات بھی ہیں جن میں ایک دوسرے نمونوں میں وشناس کیا جا چکا ہے،

تَلْخِصُ بَصَرِکَہ

عقل کے خلاف جدید بغاوت

عنوان بالا سے موجودہ صدی کے مشہور جرمن فلسفی رینے فیلپ رینولڈ (René Philipp Rillier) کا ایک پرمغز اور بصیرت افروز خطبہ پہلی بار ممبرٹ جرنل (جنوری ۱۹۸۸ء) میں شائع ہوا ہے۔ ناظرین معارف کے لئے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

ہم سب کو شروع ہی سے عقل پر عقیدہ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ انسان عقل کی مدد سے کائنات کی تمام گتھیاں سلجھا سکتا ہے، بالخصوص گذشتہ دو صدیوں میں سیاسی انقلابات و اصلاحات کا سب سے بڑا مقصد یہی رہا ہے کہ سوسائٹی کی معاشرتی اور سیاسی ترکیب میں جو نامعقول عناصر داخل ہو گئے ہیں، انہیں خارج کر کے معقول عناصر ان کی جگہ لائے جائیں، روشن خیالی، حریت پسندی، جمہوریت، اور اشتراکیت، ان تمام تحریکوں میں سے ہر ایک کی بنیاد اس عقیدہ پر قائم تھی، کہ انسانوں کے باہمی تعلقات عقل ہی سے استوار رہ سکے ہیں۔ تمام معاشرتی بے انصافیاں اور مصیبتیں معقول فہم و ادراک کی کمی سے پیدا ہوتی ہیں، اور عقل ہی کے ذریعہ موجودہ معاشرتی اور سیاسی نظام کا ہر نقص دور کیا جاسکتا ہے، چند سال ہوئے ہمیں سو اکثر لوگوں کو ایسا نظر آتا تھا، کہ بہت جلد ساری دنیا میں عالمگیر وفاق (فیڈریشن) معاش کے مرتب اصولوں، بین الاقوامی ناٹو، عدالتوں، اور معاشرتی عدل و انصاف کی سلطنت قائم ہو جائے گی، انسان کی ایک نہایت ہی دیرینہ آرزو ہماری آنکھوں کے سامنے پوری ہوئی۔

اب قریب معلوم ہوتا تھا،

عقل پر عقیدہ ۱۹۵۰ء میں بھی پایا جاتا ہے، جو چھٹی صدی قبل مسیح سے پہلے کی کتاب ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا یعنی عقلی بصیرت میا یعنی فریب کی دنیا پر غالب ہوگی، علاوہ برین یونانی فلسفہ نے بھی جس کی تعلیمات سے یورپ کا ذہنی نشوونما شروع ہوا، عقلیت کی فتح کا اعلان کیا، ہراکلیٹس (Heraclitus) نے تو یہاں تک کہہ دیا، کہ فضا تمام عقل سے پر ہے اور انسان برابر عقل ہی کی سانس لے رہا ہے، ایلیائی فلاسفہ (سنتھ قبل مسیح) اس بات پر زور دیتے تھے، کہ ہمیں ہر چیز کا فیصلہ عقل کی رو سے کرنا چاہئے، سقراط نے یہ تعلیم دی کہ انسان کو منطقی طور پر غور و فکر کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، اسکے نزدیک انسان کی زندگی کا مقصد واقعیت حاصل کرنا ہے، اُسے چاہئے کہ اپنے پورے وجود کو عقل کا تابع کر دے۔

قدیم یونانی اور رومن فلسفہ کی عقلیت کی بنا پر سیاسی نظاموں کو عقل کی روشنی میں بن کر لیا بارہا کوشش ہوئی، یونانی جمہوریہ کی بنیاد ہی عقل پر رکھی گئی، اور افلاطون کی ترتیب دی ہوئی جمہوریہ میں اسی عقلیت کا عکس صاف طور پر نظر آتا ہے، پھر روم کی طرف دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم عقلیت کا سب سے زیادہ شاندار اور دیرپا حاصل رومن قانون ہے، جو اس وقت بھی ایک بڑی حد تک تمام دنیا کے قانونوں پر حاوی ہے،

زندگی کے تمام پہلوؤں کو عقل کے تابع کر دینے کا جو کام زمانہ قدیم میں شروع کیا گیا تھا، مغربی تہذیب نے عہد روشنیالی (Enlightenment) میں از سر نو جاری کر دیا، مونٹسکیو (Montesquieu) ڈیڈرو (Diderot) اور وولٹیر (Voltaire) بے لوگوں نے اپنی زندگی کا مقصد یہ بنالیا، کہ کائنات کے تاریک ترین گوشوں کو بھی عقل کی روشنی

سے منور کر دیں، روشنیابی کے علمبردار کائنات کو ایک عظیم انسان منظم کا رخانہ سمجھتے تھے، جس کے ذہن عقل کی قوت سے دریافت کے جا سکتے ہیں، ان کا خیال تھا کہ جو وقت انسان ان قوانین کو متنبہ کرنے کا جو فطرت اور انسانی زندگی کے مختلف اعمال (Processes) میں جاری ہیں، اسی وقت اس کے لئے ان اعمال میں دخل دینا اور اپنی مرضی کے مطابق ان میں تصرف کرنا ممکن ہو جائیگا۔ روشنیابی کے ان ایام سے لیکر ہمارے زمانہ تک عقلیت کو مسلسل فتوحات حاصل ہوتی گئیں۔ سائنس نے فطرت کے بے شمار معجزات کو رکھ کر دیئے، انسان کو فطرت کی قوتوں پر درمیش آزمائش قدرت حاصل ہوتی گئی، اور یہ ترقیان پھیلنے کی بڑی سے بڑی آرزوؤں سے بھی متجاوز ہو گئیں۔ عقل پر انسان کا عقیدہ اس درجہ راسخ ہو گیا، کہ اب اسے عقل کی ہمہ گیری میں کوئی شبہ باقی نہ رہا۔ یہ بھی یورپ کی ذہنی حالت اب نصف پشت قبل تک لیکن اس درمیان میں ہمارے خیالات کے اندر ایک تبدیلی واقع ہو گئی ہے، آج عقل کے خلاف عام طور پر بغاوت برپا ہے، جو چیز ہمارے لئے سب سے بڑے فخر کی تھی، وہی آج مردود قرار دی جاتی ہے، عقل کی پرستش کرنے کے بجائے لوگ ہر اُس شے کی تعظیم و تکریم کرنے لگے ہیں جو نامعقول اور مخالف عقل ہے، اخاندان، قوتِ نسل، قوم، آج یہی الفاظ ہر شخص کی زبان پر ہیں، ہم سے کہا جاتا ہے کہ جدید معاشرتی اور سیاسی نظاموں کی تعمیر انہی باتوں کے لحاظ سے ہونی چاہئے، ایسی حکومتیں قائم ہو گئی ہیں، جن کا مقصد کسی عقلی نصب العین کیلئے کوشش کرنا نہیں ہے، وہ جذبات اور ان قوا سے محرک پر اپنا عقیدہ رکھتی ہیں، جو حال تک بالاتفاق تعصبات اور مخالطات میں شمار کی جاتی تھیں۔

پہلا شخص جس نے عقل کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا فرانس کا باشندہ جارج سورل (G. Sorel) تھا، وہ فاسزم (Fascism) کا منظم اول ہے، اُسی نے قوت کی بادشاہی کا اعلان کیا، اور اس بات پر زور دیا کہ جن قوی اثرات سے نوعِ انسانی کی تحریکیں متاثر

ہوتی ہیں، ان کو عقل یا خلاف عقل رحم یا ظلم سے کوئی تعلق نہیں، اس کے نزدیک تاریخ ایک حرکی عمل (Dynamic process) ہے جس میں عقل کے لئے کوئی جگہ نہیں، ایسا عمل جس کے مقابلہ میں وہ تمام کوششیں جو انسان کا چھوٹا سا دماغ دنیا میں نظم قائم کرنے کیلئے کر سکتا ہے، بالکل حقیر و ناچیز ہیں، تقریباً اسی زمانہ اور اسی مہنی میں فریڈرک نیٹش (FRIEDRICH NIETZSCHE) نے بھی قوت کی فرمانروائی تسلیم کر کے عقل کے خلاف فتویٰ صادر کر دیا،

بنیڈو مسولینی (Benito Mussolini) ابانی فاسزم اپنے کو علی الاعلان سورل اور نیٹش کا شاگرد بتاتا ہے، اس کا سیاسی اور فلسفیانہ پروگرام بہتیری باتوں میں ان دو مفکرین کی تعلیمات کے مطابق ہے، اُس نے بار بار کہا ہے کہ مجھے روشن خیال عقل کے اصول موضوعہ سے کوئی تعلق نہیں، اور مستقبل کی اُس سلطنت سے کوئی واسطہ ہے، جو عالمگیر امن کی سلطنت سمجھی جاتی ہے، اُسے ایک موقع پر یہ بھی کہا ہے کہ فرانس نے جو شہداء میں کیا تھا، اُلی آج کر رہا ہے، اُلی دنیا کے سائے ایک نئے پروگرام کا اعلان کر رہا ہے، فاسستی رومہ ان تمام چیزوں کو مٹا ڈالنا چاہتا ہے جنہیں انقلاب فرانس کا پیرس دنیا میں لایا تھا، یعنی روشنیابی، حریت پسندی، جمہوری حکومت،

جدید جرمنی میں عقل کے خلاف یہ بغاوت اس سے بھی زیادہ تیز ہے، اگر فاسستیوں نے ارا (Hitler) کی فوقیت کا اعلان کیا ہے، تو جرمنی کے قومی اشتراکیوں نے بھی اتنے ہی غیر عقلی تخیل یعنی نسل کی فوقیت کا اعلان کیا ہے، نسل ہی وہ جدید نصب العین ہے، جسے موجودہ جرمنی نے اتحادِ نوعِ انسانی اور عالمگیر اخوت کے ان عقلی نصب العینوں کے مقابلہ میں رکھا ہے، جو اب تک تسلیم کئے جاتے تھے،

غرض آج ہم دیکھتے ہیں کہ عقل پر جسکی فرمانروائی میں ہمارے والدین اپنے کو بالکل محفوظ خیال کرتے تھے شدت کیسا تھمہ جاری ہوا اور ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمام چیزیں جو ایک صدی یا اس سے زیادہ

تہ سے نوع انسانی کا قابلِ فخر کارنامہ بھی جاتی تھیں نیست و نابود ہو کر رہیں گی، کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ یورپ کا زوال شروع ہو گیا، اور تہذیب کا ایک پورا دور ختم ہو گیا؟ کیا یہ بھی ان وقتی ہنگاموں میں سے ایک ہنگامہ ہے، جو وقتاً فوقتاً ترقی کی راہ میں عامل ہوتے رہتے ہیں؟ میرے خیال میں اس مسئلہ کو یوں پیش کرنا درست نہیں یعنی یہ مفروضہ صحیح نہیں، کہ وہ عقلیت جو اس قدر دفعہ نمودار ہو گئی ہے، اور جس کے معتقدین کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے، کوئی ایسی چیز ہے جو بنیادی طور پر ہماری تہذیب کے لئے اجنبی اور نامانوس ہو،

ہم جو ایسے زمانہ میں بڑھ کر جو ان ہوئے ہیں، جب عقلیت کا عقیدہ سرطوت چھایا ہوا تھا اس بات کو بھول جاتے ہیں، کہ ہمارے روحانی کچر کے قائم کرنے میں غیر عقلیت نے پچھلے دو ہزار برس میں کتنا اہم حصہ لیا ہے، کیا ہماری یہ مغربی دنیا، جو اس وقت ہمیں زوال کے خطرہ میں دکھائی دیتی ہے، قوی غیر عقلی قوتوں کے تعاون کے بغیر کبھی عالم وجود میں آسکتی تھی؟ غور کیجئے کہ ہماری تہذیب کی تعمیر میں مسیحیت نے کتنا بڑا حصہ لیا ہے، لیکن مسیحیت تھی کیا خصوصاً اپنے ابتدائی دور میں، بحزب غیر عقلیت کے جو یونان دروہ کے عقلی فلسفہ کے سراسر مخالف تھی، جب کہ مشرک متشکلیں حق کی تلاش میں سرگردان ہو کر بالآخر یہ سوال کرنے لگے تھے، کہ کیا کین حق کا وجود ہے بھی یا نہیں، اس وقت ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے، جو ایک ایسے عقیدہ کا اعلان کرتے تھے جو عقل کے دائرہ سے بالکل خارج تھا، وہ حق جو وحی کے ذریعہ نازل ہوا تھا، دلیل سے ثابت نہیں کیا جاسکتا تھا، اس پر عقیدہ رکھنا ہی لازمی تھا، تاہم ہزاروں ایسے تھے، جو سرکسوں میں شیریں کے ہاتھوں ہلاک ہو جانا کہیں بہتر سمجھتے تھے، بہ نسبت اس کے کہ ایک تعلقاً غیر عقلی عقیدہ سے منہ منہ ہو جائیں، عقل کی مخالفت جتنی آج کل ہمارے زمانہ میں دیکھی جا رہی ہے، اس سے کہیں زیادہ سخت پیشوایانِ کلیسا کے بیانات سے ظاہر ہوتی ہے، مثلاً ہارٹولین (Hartmann)۔

کہتا ہے، عیسیٰ خدا کے بیٹے مر چکے ہیں، میں اس پر عقیدہ رکھتا ہوں، اس لئے کہ یہ ایک امتحانہ اور نامعقول بات ہے، دفن کئے جانے کے بعد وہ پھر جی اُٹھے، اس میں شبہ نہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے، ہر دو ایک خرافات پر عقیدہ رکھنا کلیسا کے رومہ کی خصوصیات میں داخل تھا، جب قرون وسطیٰ میں علمائے کلیسا نے بحث و نظر میں منطقیانہ اصولوں کو بھی کسی قدر دخل دینا شروع کیا، تو اصلاح (Reformation) کی شکل میں غیر عقلیت کا ایک جدید اور شدید طوفان نمودار ہوا، لوٹھر (Luther) عقل کو مذہب بالکل خارج کر دینا چاہتا تھا، کالوین (Calvin) جو لوٹھر کے بعد اصلاح کا سب سے بڑا علمبردار تھا، ایک ایسے مسلک کی تبلیغ کرتا تھا، جو عقل کے سراسر مخالف تھا، یعنی تقدیر کا مسئلہ جس کی رو سے انسانوں کے دوزخ یا جنت میں جانے کا فیصلہ دنیا کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا ہے، خود کیتھولک کلیسا میں آج تک غیر عقلیت کی فرمازدانی قائم ہے، مثلاً میں پوپ میں نہم (Pius IX) نے اس عقیدہ کو ایک مومن بدعت قرار دیا تھا، کہ عقل ہی حق اور باطل کے درمیان تنہا حکم ہے، اور یہ کہ عقل کے ذریعہ تمام حقائق منکشف ہو سکے ہیں، مثلاً میں کلیسا کی جو مجلس رومہ میں منعقد ہوئی تھی اس میں تمام دنیا مسیحیت کے آٹھ سو پیشوایانِ مذہب نے شریک ہو کر عقلیت کے خلاف شدت سے تقریریں کی تھیں، مسیحیت کی انہی غیر عقلی بنیادوں کی وجہ سے اٹھارہویں صدی کے فرانسیسی فلسفیوں کا خیال تھا، کہ مذہب ہی عقلیت کا آخری حصار ہے، اور انہیں یقین تھا کہ مسیحیت کے استیصال کے بعد ہی عقل کی حکومت مستقل طور پر قائم ہو جائیگی،

لیکن ان فرانسیسی فلسفیوں کا مذہب کے خلاف معرکہ آرائی میں ناکام رہنا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ غیر عقلیت تھا مذہب ہی سے وابستہ نہیں بلکہ وہ عموماً انسانی شعور اور انسانی علم کا ایک بنیادی جز ہے، کیونکہ ہم صرف یہی نہیں دیکھتے کہ عیسائیت اپنے تمام دشمنوں کے مقابلہ میں اور ظالمانہ قادیون کے

بعد بھی آج بدستور قائم ہو، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ دیکھتے ہیں کہ انیسویں صدی کی ابتداء سے غیر عقلیت
سائنسوں میں بھی داخل ہو گئی ہے اور کچھ دنوں سے سائنس کے حلقہ میں اسکا اقتدار بڑھتا جا رہا ہے۔
خود زندگی کے متعلق ہمارے تصور میں ایک بنیادی تبدیلی واقع ہو گئی ہے آج بہت کم لوگ یہ
خیال کرتے ہیں کہ حیاتیاتی اعمال (Biological process) عقلی طور پر سمجھ میں آنوالی میکانک
کا نتیجہ ہیں، جدید علم حیاتیات نے اب یہ تسلیم کر لیا ہے کہ فطرت میں ایک عام فطرتی قوت کا وجود بھی ہے جو
عقلی تجزیہ سے ماوراء ہے، یہ علم جتنا ہی زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ علمائے حیاتیات کے لئے
چھوٹے سے چھوٹے پودے کی زندگی کو بھی کسی عقلی ضابطے کے تحت میں لانا غیر ممکن ہوتا جاتا ہے۔

جدید تحقیق کی دوسری شاخوں میں بھی ایسے ہی مظاہر رونما ہو رہے ہیں پہلے سائنسدانوں کا خیال تھا
کہ فطرت کا ارتقاء قابل فہم اور باضابطہ طور پر مسلسل ہوا ہوگا، لیکن آج ہمیں معلوم ہے کہ نوع کی تاریخ حیات
میں ایسی غیر متوقع صورتیں پیش آتی رہتی ہیں جنکی توجیہ سے ہماری عقل عاجز ہے، اسی طرح ہیئت طبیعیات
اور علم کیمیا میں بھی غیر عقلیت دخل پاتی جا رہی ہے، ان علوم کے دائرہ میں بھی جہاں عقلی اصول و قواعد متعارف
مضبوط تھے، اب وہ قائم نظر آتے تھے، کچھ دنوں سے عقل کی فرمانروائی ختم ہو چکی ہے، ہمارے زمانہ کے ممتاز ترین
سائنسدان اور محقق ایسے خیالات کا اظہار کرنے لگے ہیں جو عقل کے خلاف بغاوت کرنے والوں کیلئے نہایت

خوش آئند ہیں، ان کے نزدیک قوانین فطرت کا عقیدہ بہت کچھ متزلزل ہو چکا ہے، حتیٰ کہ علیت کا بنیادی
قانون بھی اب بالکل محفوظ خیال نہیں کیا جاتا، جدید علم فلکی طبیعیات (Astrophysics) نے یہ بات واضح
کر دی ہے کہ اجرام فلکی ہمیشہ باضابطہ راہوں میں حرکت نہیں کرتے، اور یہ کہ کائنات میں مسلسل ایک ناقابل
تبدیلی واقع ہو رہی ہے، اسی بنا پر مشہور برطانوی ماہر طبیعیات اور ہیئت دان سیرس (Sir
James Jeans) کہتے ہیں کہ کائنات میں ایک بڑے میکانیک (Mechanics) سے کہیں زیادہ
ایک بڑا خیال (Holographic principle) نظر آ رہا ہے، ہم پھر ایک ایسی روح پر عقیدہ رکھنے کیلئے مجبور

ہو رہے ہیں، جو تمام سستی پر حکمران اور حساب و اندازہ کی حدود سے ماوراء ہے۔

بسطر عقل کبھی فضا کے مطالعہ میں جس کا دائرہ غیر محدود طور پر وسیع ہے، ہمارا ساتھ چھوڑ
دیتی ہے اسی طرح چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کے دائرہ میں بھی وہ ہمارا ساتھ نہیں دیتی، چنانچہ آج یہ
حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ سالمہ (Molecules) اور جوہر فرد (Atom) کی دنیا میں وہ
قاعدے جو عقل نے تو لئے تھے اور قوانین فطرت کو مرتب کرنے کے لئے بنائے ہیں، اکثر منطبق نہیں
ہوتے، کچھ دنوں سے ماہرین سائنس اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہم اب تک جس چیز کو قوانین فطرت کہتے آئے
ہیں، وہ صرف نتیجہ ہیں احصاء (Calculus Probability) کا، اور اس سے زیادہ
کچھ بھی نہیں، پلانک (Planck) کے نظریہ نے سائنس کے اس مسلمہ قانون کو غلط ثابت کر دکھایا
ہے کہ تمام فطری اعمال بغیر کسی بے قاعدگی کے مسلسل جاری رہتے ہیں، اس کے نزدیک یہ قانون
جوہر فرد کی دنیا میں جاری نہیں، جہاں عدم تسلسل کی مثالیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں، وہ کہتا ہے کہ قدیم
سائنس دانوں کا خیال تھا کہ فطرت میں کوئی بے قاعدگی نہیں لیکن آج ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ
ایا فطرت بے قاعدگی کے علاوہ کسی اور طریقہ پر بھی چلتی ہے؟

فلسفہ پر سائنس سے بھی پہلے اور زیادہ نمایاں طور پر عقلیت کا اثر پڑ چکا تھا، لیکن کائنات
(KANT) کی تنقید عقل خالص (Critique of Pure Reason) جب شائع ہوئی تو
اُس نے عقل کی فرمانروائی کا خاتمہ کر دیا، پھر ہلکوبی، فگنہ، شلینگ، اور شوپن ہار کے فلسفیانہ اصول
کے بعد دیگرے سامنے آئے، جنہے معلوم ہوا کہ عقل خیال کی ایک مخصوص روش کا نام ہے، اور یہ کہ
کائنات کے مطالعہ نیز اپنے اندر اور گرد و پیش کے حالات کو سمجھنے کے لئے عقل کے علاوہ دوسری
چیزوں کی بھی ضرورت ہے، خود ہمارے زمانہ میں ہنری برگسن (Henri Bergson) اس فہم
کا سب سے بڑا نمائندہ ہے، جو عقل کی ہمہ گیری سے انکار کرتا ہے، لڈویگ کلاجر (Ludwig
Klaeger)

اپنی انتہا پسندی میں یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ عقل روح کی دشمن ہے، فرد (Freud) اور جنگ (Jung) نے دکھایا ہے کہ ہماری ذہنی زندگی میں غیر عقلی اثرات کو کقدر زیادہ دخل ہے اور کتنی زبردست قوتیں لاشعوری طور پر ہمارے ارادوں اور کاموں پر اثر ڈالتی رہتی ہیں۔

غرض آج ہم دیکھتے ہیں کہ سائنس اور فلسفہ دونوں اس مفروضہ کو ترک کر دینے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ دنیا اور انسانی فکر کے تمام مظاہر عقل کے ذریعہ سمجھے جاسکتے ہیں، ہر جگہ ہکھو ایسے مظاہر ہیں جن کی توجیہ عقل قاصر ہے، اور جو ہمیں غیر عقلی حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں، لہذا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عقل کے خلاف سیاسی بغاوت کے علمبرداروں کا یہ خیال کتنا تک صحیح ہے کہ تہذیب عقلیت غلط راہ پر چل رہی ہے اور اس کو تباہ و برباد ہو جانا ایک لازمی امر ہے، ان باغیوں کا خیال ہے کہ عقلیت کا دور اب ہمیشہ کیلئے فنا ہو رہا ہے اور ہمارے سامنے جیت اور تخلیقی قوت کے ایک نئے دور کا افتتاح ہو رہا ہے، لیکن تاریخ کے طالب علم کو اس قسم کے دعووں پر ہنر کرنا چاہئے، کیونکہ اگر ایک طرف تاریخ و تمدن نے یہ دکھایا ہے کہ دنیا کی رہنمائی کبھی تاثر عقل ہی سے نہیں ہوئی تو دوسری طرف اسے یہ بھی دکھایا ہے کہ ابھی تک کوئی حقیقی تہذیب جو دین نہیں آئی، جس میں عقلی عناصر کی قوی آمیزش نہ رہی ہو۔

پھر سوال یہ ہے کہ جدید سائنس کے غیر عقلی رجحانات سے کیا یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ عقل کو بالکل ترک کر دیا جائیگا؟ ہرگز نہیں، جو لوگ جدید غیر عقلیت کے مبلغ ہیں، وہ کوئی وہم پرست اور تاریک خیال انسانی نہیں ہیں بلکہ ماہرین سائنس میں فلسفی ہیں، اور محقق ہیں، یعنی سب کے سب بنیادی طور پر عقلی ہیں جس چیز کی تعلیم دیتے ہیں، وہ یہ نہیں ہے کہ عقلی بصیرت ترک کر دی جائے، بلکہ صرف یہ کہ عقل کا دائرہ عمل محدود سمجھ لیا جائے، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عقل کے خلاف جو بغاوت آج برپا ہے، وہ بالآخر عقلیت اور غیر عقلیت کی باہمی ترکیب ایک درمیانی عملی اصول پیدا کر دیگی، اس بغاوت سے ہمیں یہ سبق چاہیے گا کہ عقل ہی تمام مسائل حل نہیں کر سکتی، ہمیں ان غیر عقلی حقائق کو بھی تسلیم کرنا پڑیگا، جو نظریات اور انسانی فکر و عمل میں یکساں طور پر کاغذی ہیں۔

اخبارِ علمیہ صنعت کا کمال

کچھ دنوں سے ہیئت انوں کا یہ خیال روز بروز زیادہ قوی ہوتا جاتا ہے کہ کائنات تیزی کیساتھ پھیل رہی ہے، جیسا کہ سرعت کیساتھ ہم کو دور ہوتے جا رہے ہیں اور ستاروں کے وہ عظیم الشان نظام جن میں ایک ایک فرد ہمارا آفتاب بھی ہے، انکا باہمی فاصلہ مستقل طور پر بڑھتا جا رہا ہے، اب تک جو دو نہیں دنیا کے بڑے سے بڑے رصد خانوں میں موجود تھیں، وہ اس پھیلتی ہوئی کائنات کے ایک بہت محدود حصہ کا مطالعہ کر سکی تھیں لیکن اب کیلی فورنیا (امریکہ) میں پاسڈینا (Pasadena) کے رصد خانہ میں جو دوربین نصب کیا جا رہی ہے، اس کی قوت عہد حاضر کی سب سے قوی دوربین بھی جو کیلی فورنیا ہی میں مونٹ ولسن کے رصد خانہ میں نصب ہے، اور جس کے آئینے کا دور سوا پچھڑ چوگنا زائد ہوگی اس نئی دوربین کے قرص کا دور دو سوا پچھڑ اور قطر سترہ فٹ ہے، قرص کی دبازت ساٹھس اپنچ اور وزن میں پانچ اس زبردست آئینہ کا بنانا ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا، اس کے لئے (۲۰۰۰) ڈگری ٹیپر سحر کا گچھلا ہوا شیشہ بین کی مقدار میں سانچہ میں ڈھالا گیا، لیکن سب سے بڑا مرحلہ اس کو ٹھنڈا کرنے کا تھا، کیونکہ ٹیپر سحر کو صرف چند ڈگری کے حساب سے تبدیل کرنا ہی ممکن تھا، اسی وجہ سے قرص کو توڑے باہر نکالنے میں تقریباً ایک سال کی مدت صرف ہوئی اور اب یہ نیویارک کے کارخانہ سے تیار ہو کر پاسڈینا پہنچ گیا ہے، اس کو قلعی کر کے دوربین میں لگانے اور پھر دوربین کو مکمل طور پر نصب کرنے میں ابھی تین سال اور لگ جائیں گے، اس عظیم الشان دوربین سے پھیلتی ہوئی کائنات کے متعلق جدید معلومات حاصل ہو سکیں گے، یہ ماہر تاب اور سیاروں کو نسبت پہلے کے ہم سے زیادہ قریب کر دیگی، مزید اور اس کی نام نہاد نہروں کے متعلق جو دشواریاں ہیئت دانوں کو پیش تھیں، ان کا حل بھی بہت کچھ اس ہو جائیگا، کیونکہ یہ دوربین مزید دور کو اس قدر قریب کر دیگی کہ اس کا مطالعہ تفصیل کیساتھ کیا جاسکے گا، لیکن اس دوربین

کی تحقیق سے وہ نہریں "موجودہ دور بنیوں کے پیدا کردہ قریب نظر کا نتیجہ ثابت ہوں، اب تک ہیئت انونٹ نظام شمسی کے گرد جتنی فضا کی تلاش و تحقیق کی ہے، اس دور میں کی مدد سے اس سے تائیں گئی زیادہ وسیع فضا کی تلاش و تحقیق کی جاسکے گی، توقع کی جاتی ہے، کہ اس کے ذریعہ نظر کی رسائی فضائیں (۵۲۰۰) مین مین میل تک ہو سکے گی، موجودہ دور بنیوں سے اب تک (۱۵۰۰) مین ستاروں کی تصویر لیا جاتی تھی، اب اس قدر کہ یہ دور بنی (۵۰۰) مین ستاروں کا اضافہ کر دے گی،

ایٹھر جیٹ ایک کامل محذ کے

نوسہ سال ہوئے جب محذرات کے بنانے میں ایٹھر اول استعمال کیا گیا تھا، اور اس وقت سے اب تک یہ چیز بیوشی اور بے حسی پیدا کرنے میں استعمال کی جاتی ہے لیکن مریض اس سے بہت گھبراتے ہیں خصوصاً شل کی وجہ سے جو اس کی بوسہ ضرور پیدا ہوتی ہے ڈاکٹر بھی اسکے بعد کے اثرات کو ناپسند کرتے ہیں، عرصہ سے کوشش کی جا رہی تھی کہ اسکے بجائے کوئی دوسرا محذرایجاد کیا جائے، چنانچہ گذشتہ مارچ میں کنڈاکے ایک جن ڈاکٹر ٹرکپ (Kemp) نے اعلان کیا ہے کہ خود ایٹھری ایسا کامل محذربن سکتا ہے جس میں کسی قسم کا خطرہ نہ ہو، موصوف کا خیال ہے کہ ایک جو تصور تھا وہ ایٹھر کا نہ تھا، بلکہ خود ڈاکٹر ون کا تھا، انھوں نے اپنے عمل میں ذاتی طور پر تجربہ کر کے جس طرح کو کامیاب پایا وہ یہ ہو کہ آپریشن سے ایک ہفتہ قبل مریض کو گوشت بالکل ترک کر دینا چاہئے، اور اس کے بجائے غذا میں نشاستہ بھر کا لیسیم اور وٹامین کی مقدار بہت زیادہ کر دینی چاہئے، اسکے علاوہ روز دودھ کی ایک خوراک بھی استعمال کرنی چاہئے، آپریشن سے پانچ روز قبل سے بیوگول سولوشن (Bio-gol solution) بھی لینے رہنا چاہئے، جس میں ایوڈین (Iodine) شامل ہوتی ہے، اور یہ بھی ضروری ہو کہ آپریشن سے تین روز پہلے مریض ہسپتال ہی اگر مقیم ہوتا کہ اسکے اندر طبیعی اور ماحولی توازن پیدا ہو جائے، آپریشن کے کمرہ میں لانے سے قبل خواب آور دواؤں کے ذریعہ مریض پر نیم شعوری کی کیفیت طاری کر دینی چاہئے، اس کا خوف دور ہو جاتا ہے، اور ایٹھر کو سونگھنے کا اسے علم بھی نہیں ہوتا،

ایک عجیب شکل

وہابی امراض کو تحفظ کیلئے سانس اور طبعی جو تدبیریں اختیار کیں ان کو یہ ضرور ہوا کہ کچھ بچپس برس میں بہتری وہاں جو پہلے آبادیوں کی آبادیاں برباد کر ڈالتی تھیں، تقریباً غائب ہو گئیں، لیکن اس سے ایک نئی شکل بھی پیدا ہو گئی، تمام دنیا اور خصوصاً امریکہ میں اب لوگوں کی عمریں زیادہ ہونے لگی ہیں، اور بوڑھوں اور جوانوں کا یہ تناسب الٹ گیا ہے امریکہ میں بوڑھوں کی تعداد روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے دوسری طرف جوانوں کی تعداد آہستہ آہستہ بزرگوں کے مقابلہ میں کم ہوتی جا رہی ہے ۱۹۳۰ء کی مردم شماری میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایک کروڑ آدمی ساڑھے تین سال سے زائد عمر کے تھے، خیال ہے کہ ۱۹۶۰ء تک یہ تعداد دو گنی سے زیادہ ہو جائیگی، ان بوڑھوں کی موجودگی نوجوانوں کی ترقی کی راہ میں ایک بڑا پیچھے ہے، اب سے پچاس سال پہلے برطانیہ کا زمیندار یا امریکہ میں تجارت کا مالک عموماً پچاس سال کی عمر میں مر جاتا تھا، اور اس کا لڑکا یا قریب ترین عزیز بچپس تیس سال کی عمر میں جبکہ اسکی قوت اور اس کا حوصلہ شباب پر ہوتا، مرنے والے کا کاروبار اپنے ہاتھ میں لیتا، مگر اب وہ انتظار کرتے کرتے تھک جاتا ہے اور اس کا حوصلہ بہت کچھ پست ہو جاتا ہے، امریکہ والے حیران ہیں کہ ان بوڑھوں کو کیا کریں،

الزام کا جواب

موجودہ زمانہ پر ایک بڑا الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں سانس کی ترقی اور مشینوں کی ایجاد کو انسانی زندگی نہایت خطرہ میں پڑ گئی ہے، اور غیر طبیعی اموات اور حادثات کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے امریکہ کی میٹروپولیٹن لائف انشورنس کمپنی (METROPOLITAN LIFE INSURANCE COMPANY) نے اعداد و شمار فراہم کر کے یہ دکھایا ہے کہ قدیم یونان اور روم کے پرامن شہروں میں تقریباً ایک چوتھائی کی موتیں غیر طبیعی ہی طور پر واقع ہوئیں، اسکے مقابلہ میں موجود زمانہ میں جو موتیں حادثات سے ہوتی ہیں، اور جن میں موٹروں اور مشینوں کے حادثات کے علاوہ قتل اور خودکشی کے حادثات بھی شامل ہیں، ان کا اوسط صرف ۵۰ فی صدی ہے، لہذا یونان اور روم کے عہد زریں کے حالات کو دیکھتے ہوئے موجودہ زمانہ پر یہ الزام رکھنا کمان تک درست ہے؟

مطبوعات جدیدہ

خطبات گارسان دتاسی مترجمہ و شائع کردہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد

دکن، لکھائی چھپائی ٹائپ میں قیمت مجلد ص ۶ غیر مجلد ۱۲ صفحہ ۱۲

فرانسیسی مستشرق، گارسان دتاسی، ہندوستانی زبان کے ان محسنوں میں جو جس کے احسانات سے یہ زبان کبھی سکے دش نہیں ہو سکتی، اسے اس کی خدمت کا احساس اس زمانہ میں ہوا، جب یہ زبان اپنے دور سکون سے بھی باہر نہ نکلی تھی، بلکہ اس کی تاریخ ادب ہندوستانی اور اسکے خطبات ہندوستانی سے اس زبان کو عظیمی زبان کا مرتبہ حاصل کرنے میں مدد ملی، اردو کی تاریخوں میں اسکے خطبات کا تذکرہ نہ ملتا، روایتوں سے آیا کرتا تھا یا کسی رسالہ میں کبھی اسکے ایک دو باب کی تلخیص شائع ہو گئی، ہمیں جناب سر سید اس مسودہ کا سرگزدار ہونا چاہیے، کہ موصوف نے نہ صرف اسکے ہندوستانی ترجمہ کی تحریک کی، بلکہ اسکے ابتدائی ابواب کا خود ترجمہ کیا، اور بالآخر یہ قابل قدر کتاب ہندوستانی زبان میں پوری منتقل ہو گئی،

دتاسی کے ہندوستانی زبان کے ذوق کی بنا پر پریس یونیورسٹی میں اس زبان کی پروفیسری کی اسامی قائم کی گئی، اس سلسلہ میں وہ ہندوستانی زبان کی مطبوعات اور اس کی ترقیوں پر نظر ڈالتے ہوئے ہر سال ایک خطبہ دیتا تھا، یہ انہی خطبات کا مجموعہ ہے، جو ۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۶ء تک ۹ سال میں تمام ہوئے، اور تاریخ زبان ہند کی میاری کتابوں میں اسے جگہ حاصل ہوئی، ان خطبات کے بیشتر حصوں کا ترجمہ جناب ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب ڈی لٹ (پریس) نے کیا ہے، یہ ترجمہ رسالہ اردو میں باقیا چھپنے رہے، اور اب مکمل ہو کر ضخیم کتاب کی صورت میں شائع کئے گئے ہیں، خطبات میں جہاں جہاں مسائل

نظر آئے، حواشی میں ان کی تفسیح بھی کی گئی ہے، افسوس کہ یہ کتاب انڈکس سے خالی رکھی گئی، جس کی سخت ضرورت تھی، توقع ہے کہ ہندوستانی زبان کے قدردان اس مجموعہ خطبات سے فائدہ اٹھائیں گے،

اجتہاد کی نقاشی (مع تصاویر) از جناب غلام نیردانی صاحب ایم اے، ایف اے

ایس بی، ناظم محکمہ آثار قدیمہ سرکار عالی قیمت مجلد سے ۶ غیر مجلد ۱۲

اجتہاد کے غاروں کی نقاشی، ہندوستان کے بدھوں کے زمانہ کی مصوری کے نادر نمونوں میں سے ہے، انیسویں صدی کے اوائل میں اس کا اکتشاف ہوا، اس وقت سے یورپ کے ماہرین اس پر توجہ کی، پھر سرکار عالی حیدر آباد کے محکمہ آثار قدیمہ نے اپنی پوری توجہ مبذول کی، اور ان آثار کی حفاظت کے ذرائع اختیار کرنے کے علاوہ ویران و سنان اجتہاد کو آباد و مہمور کر دیا، یہ مجموعہ تصاویر بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں محکمہ آثار قدیمہ سرکار عالی کے ناظم جناب غلام نیردانی نے اجتہاد کی تصویروں پر بطور مقدمہ ایک فاضلانہ نظر ڈالی ہے، یہ مقدمہ دراصل موصوف کا ایک تحریری خطبہ تھا، جو اورنگ آباد کا راج دکن کے طلبہ کے سامنے نواب سر حیدر نواز جنگ کی صدارت میں پڑھا گیا تھا، تصاویر کی مجموعی تعداد گیارہ ہے، مقدمہ میں اجتہاد کی نقاشی پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالتے ہوئے ہر تصویر کے فنی کمالات اور اسکے تاریخی معلومات بیان کئے ہیں، اور ان تصویروں ہندوستان کے عہد قدیم سے متعلق جو تاریخی نتائج اخذ ہوتے ہیں، ان کی جانب اشارات کئے ہیں، مجموعہ شرمیو سنج جرمی میں بڑے اہتمام سے دبیر آرٹ پیررکسی طور پر چھپوایا گیا ہے، تصویریں ملکی اور انگریزی ہیں، اور حتی الامکان ان میں اجتہاد کی نقاشی کی ہر تصویر نقل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کتاب سے نہ صرف نادرہ جماعت کے سامنے اجتہاد کی نقاشی کے نمونے آتے ہیں، بلکہ اس مقدمہ سے ایک تبدیلی فنی مصوری کے سمجھنے میں بھی رہنمائی حاصل کر سکتا ہے، کتاب سرکار عالی حیدر آباد کے مطبوعات کے سلسلہ میں شائع ہوئی ہے، اور غالباً محکمہ آثار قدیمہ، حیدر آباد دکن کے دفتر سے مل سکتی ہے،

